تمہید

کہتے ہیں کہ جب سر والٹر ریلے لندن کے قلعے میں قید تھے تو انہوں نے دنیا کی تاریخ لکھنی شروع کی۔ ایک دن انہوں نے اپنی کوٹھڑی کی کھڑکی کے نیچے لڑائی جھگڑے کا شور سُنا۔ اُنہوں نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک آدمی دوسرے کو ہلاک کر رہا ہے۔ انہوں نے اس لڑائی جھگڑے کی وجہ معلوم کرنا چاہی۔ جیل کے افسروں سے بار بار دریافت کیا مگر انھیں لڑائی کی اصلیت معلوم نہ ہوسکی۔ اس پر انہوں نے دنیا کی تاریخ لکھنا ترک کر دیا۔ اور اس کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ جب میں ایک ایسے واقعہ کی اصلیت معلوم نہ کر سکا جو عین میری کوٹھڑی کی کھڑکی کے نیچے ہوا ہے تو میں تاریخ کے ہزاروں سال پرانے واقعات کی اصلیت کیسے معلوم کر سکتا ہوں جن کی بنیاد پر تاریخ کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔

ہندوستان کی یہ چھوٹی سی تاریخ لکھتے وقت مجھے یہ کہانی بار بار یاد آتی تھی۔ بھلا کوئی آدمی ہندوستان کی ہزاروں سال لمبی کہانی کی تمام باتیں کیسے معلوم کر سکتا ہے؟ اس لئے میں اس کتاب کو نہایت انکساری کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ یہ کتاب اُن خیالات اور بڑے بڑے واقعات کا صرف ایک چھوٹا سا خاکہ ہے جن سے ہمارے ملک کی کہانی بنی ہے۔ اسے ہندوستان کی ایک چھوٹی سی تاریخ لکھنے کی بہت ہی معمولی کوشش سمجھنا چاہیے

یہ چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں جیسے سادہ لوح (۹ سال سے ۹۰ سال تک) لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے جو اس مضمون کو شروع کریں گے۔ یہ کتاب اُن میں تاریخ کے مطالعہ کا ذوق پیدا کریگی۔ اس تاریخ کو لکھنے وقت اگر میں نے کوئی سبق سیکھا ہے تو وہ صرف یہ کہ ہماری تاریخ کے ہر سنہری زمانے میں، خواہ وہ اشوک کا ہو یا چندرگپت یا اکبر کا ہندوستان کے باشندوں میں مضبوط اتحاد اور رکھ رکھاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے ان کو ہر قسم کے علوم وفنون میں ترقی کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ہماری شاعری، ہماری مصوری، ہماری سنگ تراشی اور ہمارے ملک کی دستکاری، یہ سب چیزیں ہمارے آبا واجداد کے نادر خیالات اور سرگرمی سے کام کرنے کا نتیجہ ہیں۔ تاریخ میں اس کی مثال صرف قدیم چین، یونان اور اس زمانے کے یورپ میں ملتی ہے جب وہاں دور النشاۃ الثانیہ شروع ہوا تھا۔ ترقی کرنے اور ایجاد واختراع کا جوش اب بھی ہمارے دلوں میں موجزن ہے۔ وہ سب چیزیں جن سے ایک نئی دنیا کی تعمیر کی جاتی ہے ہمیں سائنس سے مل سکتی ہیں۔ اب صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے اندر خوداعتمادی کا احساس پیدا ہو تو ہم ایسی دنیا کی تعمیر کر سکتے ہیں جس میں کوئی آدمی ننگا بھوکا نہ رہے، جس میں ہر آدمی کو صحیح معنوں میں انسان بننے کا موقعہ مل سکے اور ایسی نئی چیزیں بنائیں جن سے ہمارا ملک ایک بار پھر چمک اٹھے۔

بمبئی ۲۰؍جولائی ۱۹۴۷ء

ملک راج آنند

ہندوستان کی کہانی

زمانۂ قدیم میں جب دنیا نئی نئی بنی تھی، تو ہمارا مُلک ایسا نہ تھا جیسا کہ آج کل ہے۔

اُس وقت سے اب تک اتنے سال گذر چکے ہیں کہ اگر ہم ان کا شمار کرنا چاہیں تو یہ اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ پیپل کی ہری ہری کونپلوں کو گننا۔

اُس زمانے میں زمین کی ساخت بھی کچھ اور ہی تھی۔ آج جہاں خشکی ہے، شائد وہاں اس وقت سمندر موج زن تھا۔ بڑے بڑے سیلاب، طوفان اور زلزلے آتے رہتے تھے۔ اس طرح ہمارے مُلک کی موجودہ ساخت کے بننے میں ہزاروں سال لگے ہوں گے۔

جیسا کہ تم جانتے ہو، ہندوستان کی شکل ایک بڑے زاویے کے مانند ہے۔ شمال میں ہمالیہ کا کوہستانی سلسلہ ہے جو دنیا میں سب سے بلند پہاڑ ہے اور جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ اس پہاڑ سے نیچے وہ وسیع میدان پھیلے ہوتے ہیں جہاں تین بڑے بڑے دریا گنگا، سندھ اور برہم پتر بہتے ہیں۔ اس سے

آگے وندھیاچل کا پہاڑی سلسلہ آتا ہے۔ اوران کے بعد دکن کا حدب ہے، جہاں نربدا، تاپتی، مہاندی کرشنا اورکاویری دریا بہتے ہیں۔ اس زاوئے کے ایک گوشے پر مغربی گھاٹ اور دوسرے پر مشرقی گھاٹ واقع ہیں۔ راس کماری اس کے نچلے سرے پر ہے۔ لنکا جو بحرہند میں اس وقت ایک جزیرہ ہے، کسی وقت ہندوستان ہی سے ملحق ہوگا۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ جس میں بہت سے پہاڑ، میدان، جھیلیں اور جنگل ہیں۔ مانسون ہوائیں اور دریا اس کی مٹی کو زرخیز بناتے ہیں۔

عام طورپہ تاریخ کی کتابوں میں سن عیسوی کا حوالہ دیا جاتاہے، جو حضرت عیسٰی کی یوم پیدایش سے شروع ہوتا ہے۔ اورجب کسی ایسے واقعے کا ذکرکرنا مقصود ہوتا ہے جو حضرت عیسٰی سے پہلے وقوع پذیر ہوا تو اس کو قبل مسیح کہتے ہیں —— یعنی حضرت عیسٰی سے اتنے سال پہلے۔ حضرت عیسٰی کی پیدایش سے پانچ ہزار سال پہلے سے لے کران کی پیدایش تک ہندوستان میں مختلف اقوام، مختلف اوقات میں آکر بستی رہیں۔ کبھی کوئی قوم آئی کبھی کوئی۔ یہاں آکر انھوں نے خوب ترقی کی۔ ہم لوگ انھیں اقوام کی اولاد ہیں۔ مدفون شہروں کی کھدائی کرنے پر اس وقت کے لوگوں کی کھوپڑیاں ہمیں ملی ہیں۔ اُن کھوپڑیوں اورتاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتاہے کہ ہم لوگ تین چار۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قوموں کی نسل سے ہیں۔ جیسے جیسے

آگے وندھیاچل کا پہاڑی سلسلہ آتا ہے۔ اور ان کے بعد دکن کا حدب ہے، جہاں نربدا، تاپتی، مہاندی کرشنا اور کاویری دریا بہتے ہیں۔ اس زاویے کے ایک گوشے پر مغربی گھاٹ اور دوسرے پر مشرقی گھاٹ واقع ہیں۔ راس کماری اس کے نچلے سرے پر ہے۔ لنکا جو بحر ہند میں اس وقت ایک جزیرہ ہے، کسی وقت ہندوستان ہی سے ملحق ہوگا۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ جس میں بہت سے پہاڑ، میدان، جھیلیں اور جنگل ہیں۔ مانسون ہوائیں اور دریا اس کی مٹی کو زرخیز بناتے ہیں۔

عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں سن عیسوی کا حوالہ دیا جاتا ہے، جو حضرت عیسیٰ کی یوم پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ اور جب کسی ایسے واقعے کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ سے پہلے وقوع پذیر ہوا تو اس کو قبل مسیح کہتے ہیں ——— یعنی حضرت عیسیٰ سے اتنے سال پہلے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پانچ ہزار سال پہلے سے لے کر ان کی پیدائش تک ہندوستان میں مختلف اقوام، مختلف اوقات میں آکر بستی رہیں۔ کبھی کوئی قوم آئی کبھی کوئی۔ یہاں آکر انہوں نے خوب ترقی کی۔ ہم لوگ انھیں اقوام کی اولاد ہیں۔ مدفون شہروں کی کھدائی کرنے پر اس وقت کے لوگوں کی کھوپڑیاں ہمیں ملی ہیں۔ اُن کھوپڑیوں اور تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ تین چار۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قوموں کی نسل سے ہیں۔ جیسے جیسے



زمانہ گذرتا گیا، ان قوموں میں باہمی ربط وضبط بڑھتا گیا۔ ان قوموں میں سے بڑی اور اہم قومیں یہ ہیں:۔

دراوڑ قوم —— یہ لوگ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ فارس، عرب اور مصر میں بھی سب سے پہلے آباد ہوئے۔

رومی قوم —— یہ لوگ دنیا کے اُن سارے ملکوں میں پھیل چکے تھے جنھیں اس وقت انسان نے دریافت کرلیا تھا۔ یہ لوگ دریائے گنگا کے کناروں سے لے کر اسپین، تھارین اور بحر روم کے اردگرد کے ملکوں میں آباد تھے۔

آریہ قوم —— یہ لوگ وسط ایشیا کے گھاس کے میدانوں سے چل کر شمال مغربی دروں سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔

منگول قوم ـــــ یہ لوگ کئی بڑے بڑے گروہوں میں منقسم ہوکر ہندوستان آئے۔ یہ لوگ کسی ایک مقام یا رقبۂ زمین پر جم کر نہیں رہتے تھے بلکہ اپنے مویشی لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ عمدہ چراگاہوں کی تلاش میں پھرا کرتے تھے۔

ان کے علاوہ ہُن، سنیھتین، عرب، پٹھان اور ایرانی اقوام بھی یہاں آئیں۔

ان تمام اقوام میں سے جو یہاں آکر آباد ہوئیں وہ یہ ہیں ـــ اور انھیں دو قوموں نے ہمارے ملک کی تاریخ پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے ـــــ ایک تو دراوڑ قوم، جو یہاں کی اصل قوم تھی اور دوسری آریہ قوم، جس نے بیرونی ممالک سے آکر ہندوستان فتح کیا اور یہاں سکونت پذیر ہوگئی۔

موہن جوداڑو اور ہڑپّہ

گذشتہ چند سال میں دریائے سندھ کی وادی میں دو مدفون شہر کھود کر نکالے گئے ۔ جن سے اس زمانے کے تہذیب و تمدن کے متعلق بہت سی نئی نئی باتیں دریافت ہوتی ہیں ۔ یہ دونوں شہر اس قدیم ترین زمانے کے ہیں جب کہ لوگوں کے دماغوں میں تاریخ نگاری کا خیال تک نہ آیا تھا۔

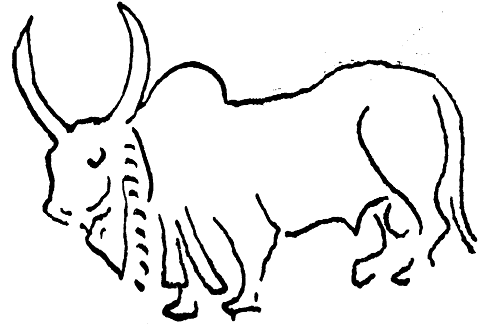


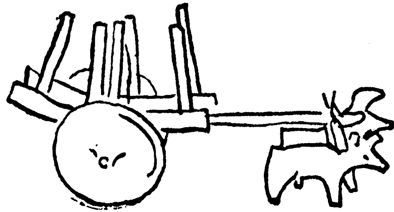
ان میں سے ایک کا نام موہن جو داڑو ہے جو صوبہ سندھ میں واقع ہے،

دوسرے کا نام ہڑپّہ ہے جو پنجاب کے ضلع لائل پور میں ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ اب سے پانچ ہزار سال قبل یا اس سے بھی زیادہ سال بیشتر ان علاقوں میں ایک شاندار اور مہذب قوم آباد تھی ۔ جو لوگ دراوڑ قوم کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن کو "پرو ٹو دراویڈن" کہتے ہیں ـــــ جہاں تک دریافت کیا جا سکا ہے یہی دریافت ہوا ہے کہ ان لوگوں کی تہذیب دنیا میں قدیم ترین تہذیب تھی ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کاشت کاری کرتے تھے ۔ انہوں نے شہر آباد کئے اور انھیں عمدہ

سڑکوں سے آراستہ کیا، گہری نالیاں نکالیں۔ پہیوں والی گاڑیاں سب سے پہلے انہیں لوگوں نے بنائیں۔ اُن لوگوں نے بڑے خوبصورت مکانات تعمیر کئے تھے جن میں اعلیٰ قسم کے غسل خانے بھی ہوتے تھے۔ یہ لوگ اپنی عورتوں کیلئے دیدہ زیب زیورات بناتے تھے، سوت کات کر





کپڑا بُنتے اور کپڑے پر فن کارانہ کشیدہ کاری کرتے تھے۔ برتن بنانا جانتے تھے۔ پتھروں سے عمدہ مورتیاں تراشتے تھے رقص و موسیقی سے بڑا شغف تھا۔ اُن کی اپنی زبان تھی، جس میں وہ خط و کتابت کیا کرتے تھے، لیکن آج اس زبان کا جاننے والا کوئی نہیں۔

یہ لوگ اپنے بچوں سے اسی طرح ہی شفقت و محبت سے پیش آتے تھے جس طرح ہم۔ یہ لوگ اپنے بچوں کیلئے

مٹی اور پتھر سے خوب صورت کھلونے گھڑتے ننھے جیسے گڑیا، بھیڑیں، گاڑیاں، بیل اور چڑیاں جو اپنی چونچیں ادھر اُدھر پھیر سکتی تھیں، پتھر اور بلور کی گولیاں، جن سے آج کل بھی بچے کھیلتے ہیں۔

اس زمانے میں ماں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ بچوں کو جنم دیتی تھی اور ان کی نگہداشت کرتی تھی۔ موہن جو داڑو اور ہڑپہ میں ماں کو بہ حیثیت دیوی کے پوجا جاتا تھا۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ کریٹ اور بحیرہ روم کے اردگرد کے ممالک اور مغربی یورپ کے بر فیلے ممالک ناروے میں بھی ماں کی پرستش اسی طرح کی جاتی تھی۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اس وقت کی مختلف قوموں میں ملاپ تھا۔

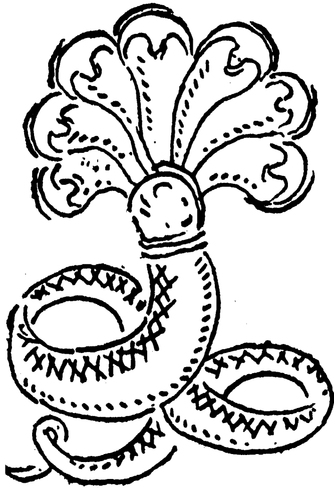
اس وقت درختوں، پرندوں اور جانوروں کی پرستش بھی کی جاتی تھی۔ اور زمین کافی مقدار میں اناج اور پھل دیتی تھی۔



دراوڑ قوم

جس زمانے میں موہن جو داڑو اور ہڑپہ آباد تھے اس وقت دراوڑی تہذیب کا ایک اور ٹکڑا روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ دراوڑوں نے زمین کی کاشت کے لئے ہل بنائے۔ یہ ہل ایسے ہی تھے جیسے آجکل استعمال ہوتے ہیں۔ اناج صاف کرنے کے لئے انہوں نے چوبی اور آہنی اوزار بنائے۔ اناج پیسنے کے لئے پتھر کی چکیاں، اور کھانا کھانے کے لئے تانبے اور مٹی کے برتن بنائے۔ جب فصل تیار ہوتی اور وہ اُٹھا کر گھر لے آتے تو جانوروں کی کھالوں سے مڑھے ہوئے ڈھول بجا بجا کر خوب ناچتے گاتے تھے۔ آج ہمیں تال و سُر اور گیتوں سے جو لگاؤ ہے یہ اُسی زمانے کے لوگوں سے پیدا ہوا۔ پہاڑوں اور دریاؤں کو دیکھ کر اُن کے دل عجیب و غریب خیالات کی آماجگاہ بن جاتے تھے اور وہ طرح طرح کی خیالی

تصویریں بنانے لگتے تھے ۔۔۔۔ انھیں قدرت کے ان عطیوں میں ایک پوشیدہ روح جان پڑتی تھی جسے وہ دیوی دیوتاؤں کا روپ دیدیا کرتے تھے ۔ اسی لئے اس وقت یکشوں (یعنی درختوں کی دیوی دیوتاؤں) ناگنوں اور بن دیویوں، پریوں اور جل پریوں کی تصویریں پتھروں پر کھودی گئیں جو بڑی دلکش ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراوڑوں کو زندگی اور دولت سے بھرپور زمین سے کتنی محبت تھی، لیکن ساتھ ہی انھیں قدرت اور اس کی طاقتوں سے ڈر بھی لگتا تھا ۔ اور اُن پر قابو پانے کے لئے وہ جادو اور منتروں سے کام بھی لیتے تھے ۔ آج کل ہم سائنس کی مدد سے قدرت کی طاقتوں پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔۔۔۔ دراوڑ دُور دُور تک مشہور ہو چکے تھے ۔ دوسرے ملکوں کے لوگ یہاں کی زرخیز زمین کی کہانیاں سُن سُن کر ہندوستان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے اور اس زمانے ہی میں ہندوستان پر حملے شروع ہو گئے۔



آریہ

آریہ، ہندوستان پر حملہ کرنے والی قوموں میں سب سے پہلی، قوم تھی —— یہ لوگ خانہ بدوش تھے۔ جو خوراک اور مویشیوں کی عمدہ چراگاہوں کی تلاش میں جگہ بہ جگہ گھومتے پھرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ وسط ایشیا کے میدانوں سے نکل کر ہندوستان میں شمال مغربی دروں سے داخل ہوئے۔ ان کا ایک بڑا گروہ مغرب کی سمت چلا گیا اور یوروپ میں پھیل گیا، دوسرے گروہ نے ایران اور افغانستان کا رُخ کیا اور وہاں سے سندھ اور گنگا کی وادی میں پھیل گیا۔

یہی وجہ ہے کہ مورخ یوروپ اور ہندوستان کے لوگوں کو "نسلی بھائی" کہتے ہیں۔ ہندی اور یوروپی اقوام دراصل ایک ہی آبا و اجداد کی اولاد ہیں۔ یوروپ اور ہندوستان کی زبانوں کی اصل شکل ایک ہی ہے۔

آریوں نے جس طرح یوروپ پر فتح پائی تقریباً اسی طرح ہندوستان پر بھی فتح پائی۔ ان کے حملوں سے پیشتر یوروپ کے جنوبی مغربی علاقوں میں مہذب اقوام آباد تھیں۔ اس سفید فام نسل کے خانہ بدوش لوگوں نے ان اقوام کو برباد کر دیا اور انھیں بری طرح لوٹا۔

اسی طرح انہوں نے ہندوستان فتح کیا۔ یہاں اُن سے قبل دراوڑ لوگ آباد تھے۔ جو بڑے خوشحال اور دولت مند تھے۔ یہ لوگ بھیڑیوں کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑے اوران پر فتح پائی۔

لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا، اُدھر یوروپ میں اور اِدھر ہندوستان میں فاتح قوم نے مفتوح قوم کی تہذیب و تمدن، رہنے سہنے کا ڈھنگ اور طور طریقے اختیار کر لیئے۔ اور اس طرح ہارنے والے دراوڑوں نے جیتنے والے آریوں کو جیت لیا۔ بالآخر آریہ لوگ چھوٹی بڑی متعدد لڑائیوں کے بعد ہندوستان میں مستقل طور پہ سکونت پذیر ہو گئے۔ اورانہوں نے کئی قابل قدر تہذیبوں کو جنم دیا۔ اس ہندوستان میں ویدوں کا سنہری زمانہ آیا اور یوروپ میں یونان کی عظیم الشان تہذیب کی بنا پڑی۔ لیکن یہ تہذیب ویدوں کے زمانہ سے کافی مدّت کے بعد چمکی۔

آریہ لوگ بڑے مضبوط اور جنگ جو تھے۔ ہندوستان پر انہوں نے فتح ہی اس وجہ سے پائی۔ اُن کے پاس دراوڑوں کے مقابلہ میں عمدہ اور جدید ہتھیار تھے۔ اُن کے تیر کمان زیادہ بڑے، اور چمکہ زیادہ آب دار تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر نرے چرواہے ہی تھے۔

چند سال قبل یہ خیال عام تھا کہ ہندوستان کی تہذیب کا آغاز آریوں کی آمد سے ہوتا ہے۔ لیکن اب ثابت ہو گیا ہے کہ ہماری موجودہ تہذیب نے بہت سی باتیں دراوڑوں سے حاصل کیں۔

آریوں پر اس ملک کے قدرتی حالات کا بڑا گہرا اثر پڑا ـــ شمال میں ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑوں کو دیکھ کر وہ خوف سے کانپنے لگتے۔ بجلی کی گرج اور تیز چمک کے ساتھ آنے والی بارش اور طوفان برق و باراں سے وہ دہل جاتے تھے۔ شور مچاتی ندیاں جب پہاڑوں سے اتر کر میدان میں آ جاتی ہیں تو ان کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے، اسی طرح جب آریہ لوگ پہاڑوں سے اتر کر نیچے آئے تو ان دریاؤں نے ان کی رفتار کو دھیما کر دیا۔ آریوں اور دراوڑوں کے درمیان جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں، بڑی خون ریز اور گھمسان تھیں۔

ان تمام باتوں سے آریہ بڑے متاثر ہوئے۔ اور قدرت کی طاقتوں کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے منتر ترتیب دیئے۔ اور ان کی تعریف میں گیت لکھے ـــ شروع شروع میں یہ منتر اور گیت خانہ بدوش چرواہوں کے گیتوں جیسے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے قدرت کے ہر مظہر کو دیوتا کا مرتبہ دے دیا جس کو وہ نہ سمجھ سکتے تھے۔ مثال کے طور پر طوفان کو "رودرا" یا "ہتوا" اور رعد و برق کو "اندر" کا روپ دیدیا۔ انہوں نے دراوڑوں کے دیوی دیوتاؤں مثلاً دھرتی کی دیوی ـــ "ادیتی" اور پریوں کو بھی اپنا لیا اور ان کی پرستش شروع کر دی۔ جیسے جیسے وہ ملک کے طول و عرض میں پھیلتے گئے، ان کے گیتوں میں عمیق اور نادر تخیلات پیدا ہوتے گئے۔ اور اعلیٰ درجہ کی شعریت ان کے گیتوں میں جھلکنے لگی

ان کی شاعری کے کچھ خوب صورت ٹکڑے نیچے دیئے جاتے ہیں، جو دنیا کی قدیم ترین شاعری کے شاید حسین ترین نمونے ہیں۔

مندرجہ ذیل اقتباس سورج کی تعریف میں ہے :

" اے روشنی کے خالق
تو بڑا تابناک اور حسین ہے
تو اپنی کرنوں سے کرۂ زمین کو جگمگا دیتا ہے"

طلوعِ سحر کے لئے ایک مثال ملاحظہ ہو

" یہ روشنی جو پھوٹ رہی ہے
تمام روشنیوں سے زیادہ خوب صورت ہے
رات نے آمدِ سحر کے لئے جگہ چھوڑ دی ہے
اور دور دور تک پھیلنے والی روشنی کا جنم ہوگیا ہے"

عالم کی تخلیق کے متعلق جو گیت آریوں نے بنائے ہیں، یقیناً نہایت حسین وجمیل اور فکر انگیز ہیں۔ ان میں ظاہر کئے گئے خیالات نہایت گہرے اور سلجھے ہوئے ہیں :

تب نہ کرۂ ارض تھا، نہ ہوا کا وجود تھا
نہ آسمان کا
تو پھر کیا تھا وہاں ؟ کہاں تھا ؟ اوٹ میں کون تھا ؟
تو پھر کیا اتھاہ پانی ہی پانی تھا ؟"

کچھ عرصہ کے بعد ان گیتوں کو مرتب کیا گیا اور کتابی شکل دی گئی۔ یہ کتابیں غالباً دُنیا کی قدیم ترین کتابیں ہیں۔ ان کے نام ہیں :

رگ وید، یجرُ وید، سام وید، اتھروو وید۔

ویدوں میں جو رعنائی خیال اور معنی آفرینی ہے اس میں بڑا حصہ ان دراوڑوں کا ہے جنھوں نے محکوم ہوکر بھی آریوں پر حکومت کی۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے فاتح آریہ مفتوح دراوڑوں سے نفرت کرتے تھے۔ وہ انھیں "چپٹی ناک والے غلام" کہہ کر پکارتے تھے۔ بعد میں لکھے گئے ویدوں میں آریوں نے اپنے سورماؤں چھتریوں کو بلند مقام دیا، جن کی سماج میں بڑی عزت ہوتی تھی، اور شودروں یا داسوں کو بہت نیچا درجہ دیا۔ جن کی سماج میں کوئی عزت نہ تھی۔

ابتدا میں آریہ دراوڑوں کو اس لئے پست درجہ دیتے تھے کہ آریوں کا رنگ گورا تھا اور



دراوڑوں کا کالا، لیکن بعد میں اس میں کچھ اور تعصّبات بھی شامل ہو گئے۔ مثلاً جو طبقہ سماج کی خدمت گذاری کرتا تھا وہ پیشے کی وجہ سے نیچا سمجھا جانے لگا۔

اس طرح ذات پات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور چار ذاتیں وجود میں آئیں :۔

برہمن :۔ یہ اونچی ذات تھی۔ اُس میں پُجاری اور پنڈت لوگ شامل تھے۔

چھتری :۔ اس میں سپاہی اور حکومت کرنے والے لوگ شامل تھے۔

ویش :۔ اس میں دوکار اور تاجر شامل تھے۔

شودر :۔ اس میں سب سے پست ترین کام کرنے والے اور نیچی ذات کے لوگ شامل تھے۔

ان کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی سماج میں کوئی حیثیت ہی نہ تھی، انھیں سماج سے خارج اور اچھوت سمجھا جاتا تھا۔

لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سماج میں ذات پات کا مسئلہ بالکل نیا تھا۔ نیچے طبقے کے افراد اونچا کام کرکے اونچے طبقے میں شامل ہوسکتے تھے اور اسی طرح اونچے طبقے کے لوگ نیچا کام کرکے نیچے طبقے میں شامل ہو جاتے تھے۔

تاہم بہت سے لوگ ذات پات کے اخلاق سوز مسئلے کی مخالفت بھی کرتے تھے۔ کیونکہ بہت سے نیک لوگوں کو ذرا ذرا سی باتوں پر سماج میں نیچا درجہ دے دیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے اس برائی کے خلاف سخت جدوجہد کی، بحث مباحثے کئے اور نیچی ذات والوں کی زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے اونچی ذات والوں سے سخت مقابلہ کیا۔

اس زمانے میں بڑے بڑے رشی پیدا ہوئے، ان کے عاقلانہ اور حکیمانہ اقوال کو جمع کرکے کتابی صورت دی گئی۔ ایسی کتابوں کو "اُپنشد" کہا گیا۔ ان کتابوں کو بنوں یا جنگلوں کی کتابیں بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے رشی مصنفوں کا مسکن جنگلات ہی تھے۔ ان میں نثرہ کتابوں کا درجہ بہت بلند ہے۔ ان کتابوں میں، اُن رشیوں اور مُنیوں کے حیات وموت کے متعلق خیالات درج ہیں۔ اسکے

علاوہ ان میں اس مسئلہ پر بھی خوب سوچ وچار کیا گیا ہے کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے۔

ان میں ایشور اور دیوی دیوتاؤں اور سب ہی چیزوں کے متعلق کہانی اور کہاوتیں ہیں۔ ان کتابوں میں اعلیٰ درجہ کا فلسفہ موجود ہے۔

وہ فلسفہ یہ ہے کہ ایک پرمیشور موجود ہے۔ یہ دُنیا تب وجود میں آئی۔ جب اس نے اس میں زندگی پیدا کرنی چاہی۔ انسان کی روح کی تمنا یہی ہے کہ اُس پرمیشور سے لَو لگائے رکھے اور آخر کار اسی میں مل جائے۔ جب تک انسان کی روح اپنے اصل مقام، یعنی پرمیشور میں نہیں مل جاتی تب تک انسان بار بار جنم لینے پر مجبور رہے، کبھی آدمی کی شکل میں کبھی جانور کی شکل میں۔ جب آدمی نیک کام کرتا ہے تو پھر بار بار جنم لینے کے جنجال سے نجات مِل جاتی ہے اور اس کی آتما، پرماتما میں مِل جاتی ہے ـــــ اس وقت بہت کم لوگ ایسے تھے کہ جنھوں نے زندگی کے بارے میں اتنی عقل مندی اور فراست سے سوچا۔ اور تب ایسے نتیجہ پر پہونچے ـــــ اس کے بعد جو لوگ ہوئے وہ اس فلسفہ میں کوئی نیا اضافہ نہ کر سکے۔

رامائن

ویدوں اور اُپنشدوں میں تو آریوں کے خیالات اور تمناؤں کا ذکر ہے، لیکن انہوں نے اس مُلک پر کس طرح فتح پائی اور مُلک میں کس طرح آباد ہوئے، اس کا احوال رامائن اور مہابھارت میں ملتا ہے۔ یہ دو مشہور اور طویل نظمیں ہیں، جن میں اصل واقعات کا اظہار شاعرانہ لطافت، من گھڑت کہانیوں اور دیو مالاؤں کے تحت کیا گیا ہے۔

رامائن ایک طول وطویل نظم ہے، جس میں (۴۸۰۰۰) اڑتالیس ہزار اشعار ہیں۔ یہ نظم عظیم شاعر والمیکی کی تصنیف ہے۔ اس میں بیان کی ہوئی کہانی اس طرح ہے:

کسی وقت ہندوستان میں دشرتھ نام کے راجا راج کرتے تھے۔ ان کا دارالسلطنت اجودھیا تھا۔ جو کہ اس وقت اودھ میں فیض آباد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ دشرتھ کے چار بیٹے تھے۔ راجا کے سب سے بڑے لڑکے کا نام رام تھا جو ان کی سب سے بڑی بیوی کوشلیا کے بطن سے تھے۔ اُن کے دوسرے بیٹے کا نام بھرت تھا جو کہ کیکئی سے تھے۔ باقی دو لڑکے لکشمن اور شترو گھن رانی سمترا کے بطن سے تھے۔



رام نے ایک سوئمبر میں راجا جنک کی بیٹی سیتا کو جیت لیا۔ سوئمبر اس زمانہ میں اس تقریب کو کہتے تھے جس میں لڑکی بہ ذات خود اپنے خاوند کا انتخاب کرتی تھی۔ رام نے ایک بہت بڑے اور مضبوط دھنش کو توڑ دیا جس کو دوسرے راجا جھکا بھی نہ سکتے تھے۔ اس طرح انہوں نے سوئمبر کی شرط پوری کر دی۔ سیتا سے شادی کر کے اجودھیا لوٹ آئے۔

بھرت کی ماں، رانی کیکئی، رام سے حسد کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ بجائے رام کے اس کا بیٹا بھرت گدّی پر بیٹھے۔ کئی سال پہلے اس رانی نے راجا دشرتھ کی جان بچائی تھی جب کہ وہ میدان جنگ میں بری طرح



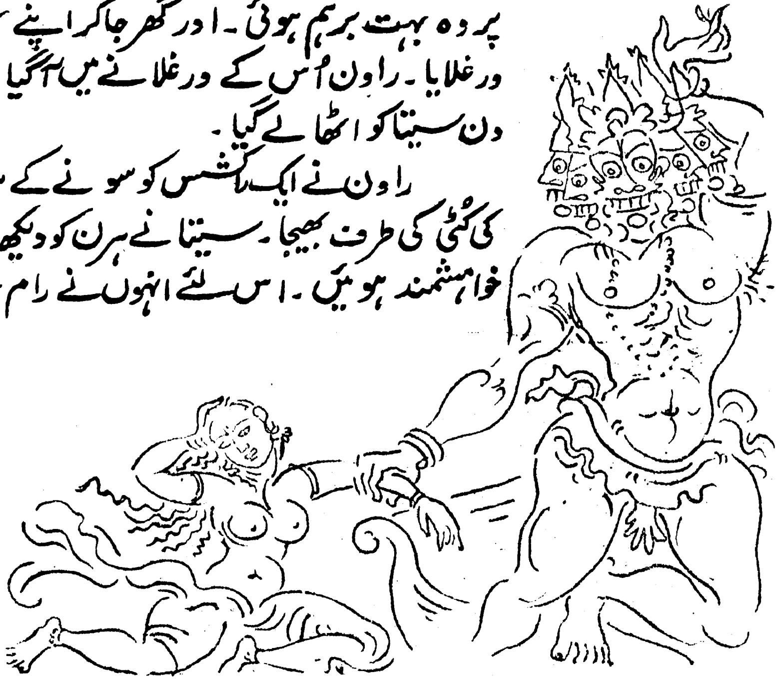
گھائل ہو گئے تھے۔ راجا دشرتھ نے خوش ہو کر وعدہ کیا تھا کہ رانی کیکئی جو مانگے گی وہ اُسے دیں گے ۔
رانی نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنی مانگ یہ پیش کی کہ رام چودہ سال تک بن میں رہیں اور بھرت کو گدی دی جائے۔ پہلے تو راجا دشرتھ نے انکار کیا۔ لیکن کیکئی کئی دن تک تاریک و تار کوٹھری میں پڑی رہی۔ تو بالآخر راجا دشرتھ نے ہار مان لی اور اپنا وعدہ پورا کیا۔

راجا دشرتھ کو رام کے چلے جانے کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ جان بر نہ ہو سکے لیکن بھرت نے، جو رام سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، اُن کی جگہ راجا بننے سے انکار کر دیا اور رام کی کھڑاؤں کو گدی پر رکھ دیا اور رام کے نمائندے کی حیثیت سے انتظام سلطنت شروع کر دیا۔

جب رام اور سیتا بن کو چلے تو لکشمن بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ اور تینوں وندھیاچل کے پہاڑوں میں گھومتے رہے۔ ایک دن ایک راکشسی رام پر عاشق ہو گئی۔ رام نے اس سے بات بھی نہ کی۔ اس

پر وہ بہت برہم ہوئی۔ اور گھر جاکر اپنے بھائی راون کو رام کے خلاف ورغلایا۔ راون اُس کے ورغلانے میں آگیا۔ اور انتقام کے طور پر ایک دن سیتا کو اٹھا لے گیا۔

راون نے ایک راکشس کو سونے کے ہرن کا روپ دے کر سیتا کی کٹی کی طرف بھیجا۔ سیتا نے ہرن کو دیکھا اور اس کے پانے کی خواہشمند ہوئیں۔ اس لئے انہوں نے رام چندر جی سے کہا کہ وہ اس ہرن کو پکڑ لائیں۔ لیکن رام بہت دیر تک واپس نہیں آئے۔ سیتا نے لکشمن کو رام کی تلاش میں بھیجا۔ لکشمن سیتا جی کو تنہا جنگل میں نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ لیکن سیتا جی نے انھیں





جب بہت مجبور کیا تو انہوں نے سیتا جی
کے ارد گرد ایک دائرہ کھینچ دیا۔ اس
دائرہ کے اندر انھیں کوئی کسی قسم کا
ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ چلتے وقت
انہوں نے سیتا جی سے کہا کہ وہ اس
دائرہ کے باہر قدم نہ نکالیں

جب سیتا جی تنہا رہ گئیں تو راون
ایک بوڑھے سادھو کے روپ میں آیا
اور ان سے بھیک مانگنے لگا۔ سیتا جی نے کہا کہ وہ اس دائرہ کے باہر قدم نہیں رکھ سکتیں، اس پر راون نے
بہانہ بنایا کہ وہ سخت بیمار ہے، اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ سیتا کو رحم آگیا اور وہ اس دائرہ سے باہر
نکل آئیں۔ راون انھیں اپنے اڑن کھٹولے پر اُڑا کر لے گیا۔

راستے میں سیتا جی اپنے زیورات اُتار کر پھینکتی گئیں تا کہ رام کو اُن کا پتہ لگانے میں آسانی ہو۔ بعد میں
رام کو گدھوں کے راجا جٹایو سے معلوم ہوا کہ سیتا جی کہاں چلی گئی ہیں۔ تب رام اور لکشمن، بندروں کے راجا



ہنومان کے ساتھ لنکا کی طرف بڑھے۔

جب وہ لوگ سمندر کے کنارے پہونچے تو بندروں نے بڑے بڑے پتھر پھینک کر پُل بنا لیا۔ اور پار کر کے لنکا میں گھس گئے۔ ہنومان جی نے اپنی دُم میں آگ لگوالی اور ایک مکان سے دوسرے مکان پر چھلانگ لگا کر راون کے دارالسلطنت لنکا کو پھونک دیا۔ راون اور اس کے ساتھی راکھشسوں کی ہار ہوئی۔ رام نے راون کو ایک تیر سے ہلاک کر دیا۔ اور ہنومان سیتا کو رام کے پاس لے آئے۔ اس وقت رام کے بن باس کی مدّت پوری ہوگئی۔ وہ راون کے اڑن کھٹولے (وِمان) میں بیٹھ کر اجودھیا آئے۔ یہاں بھرت نے ان کا استقبال کیا اور رام گدّی پر بیٹھ گئے۔
لیکن اجودھیا کے باشندے سیتا جی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ راون نے سیتا جی کو اپنی بیوی بنایا ہے۔ ان کے الزام کو باطل کرنے کے لئے سیتا جی نے "اگنی پریکشا"

(آگ کا امتحان) دیا۔ وہ جلتی ہوئی آگ میں سے بہ حفاظت گذر گئیں۔ تاہم لوگوں کا منہ بند نہ ہوا۔ ایک دن سیتا نے اپنی سہیلیوں کی فرمایش پہ راون کی ایک تصویر کھینچی۔ اس تصویر نے رام کے دل میں شک پیدا کر دیا۔ اور انھوں نے سیتا کو جلا وطن کر دیا۔

سیتا جی بن میں چلی گئیں۔ اور رشی والمیکی کے آشرم میں رہنے لگیں۔ یہ وہی والمیکی رشی ہیں جنھوں نے رامائن تصنیف کی ہے۔ یہاں ان کے بطن سے دو لڑکے لو اور کش ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ والمیکی جی نے انھیں تیر کمان چلانا سکھایا اور وید پڑھائے اور پوری رامائن کو دونوں لڑکوں نے زبانی یاد کر لیا۔

ایک دن جب دونوں بچے اپنے ماں باپ کے گن گا رہے تھے تو رام وہاں سے گذرے۔ وہ بہت جلد پہچان گئے کہ دونوں بچے کون ہیں۔ انھوں نے سیتا جی اور دونوں بچوں کو واپس چلنے کے لئے کہا۔ اور وہ سب اجودھیا چلے آئے۔

لیکن اس کے باوجود بھی اجودھیا کے بدکردار لوگوں کی زبان بند نہ ہو سکی۔ آخر سیتا جی سے نہ سہا گیا اور انھوں نے دھرتی ماتا سے التجا کی کہ وہ انھیں اپنے آغوش میں لے لے۔ اس پر دھرتی پھٹ گئی اور سیتا جی اس میں سما گئیں۔

*

مہابھارت

مہابھارت بہت سی طویل نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ جن میں راجا رانیوں، راج کماروں، راجکماریوں سادھو سنتوں اور دوسرے لوگوں کی بہادری کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ ویاس رشی نے ان کو تالیف کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب کئی مصنفوں کے قلم کا نتیجہ ہو، لیکن ویاس رشی کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔

مہابھارت میں نل دمینتی، ستی ساوتری، کرشن لیلا جیسی کہانیوں اور بھگوت گیتا (جس کا ہندو بڑا احترام کرتے ہیں) کو چھوڑ کر باقی قصہ کوروں اور پانڈوں کی لڑائی کا ہے۔

ہستناپور میں، جسے اب دہلی کہتے ہیں، اس وقت دو شہزادے سلطنت ہندوستان کے دعویدار تھے۔ ان میں ایک کا نام پانڈو اور دوسرے کا نام دھرت راشٹر تھا۔ یہ کرو خاندان سے تھے۔ دھرت راشٹر نابینا تھے اس لئے تخت سلطنت پانڈو کے ہاتھ آیا۔ کچھ عرصہ بعد پانڈو بوڑھے ہوگئے اور اپنے نابینا بھائی کو گدی سونپ کر جنگلوں میں نکل گئے۔

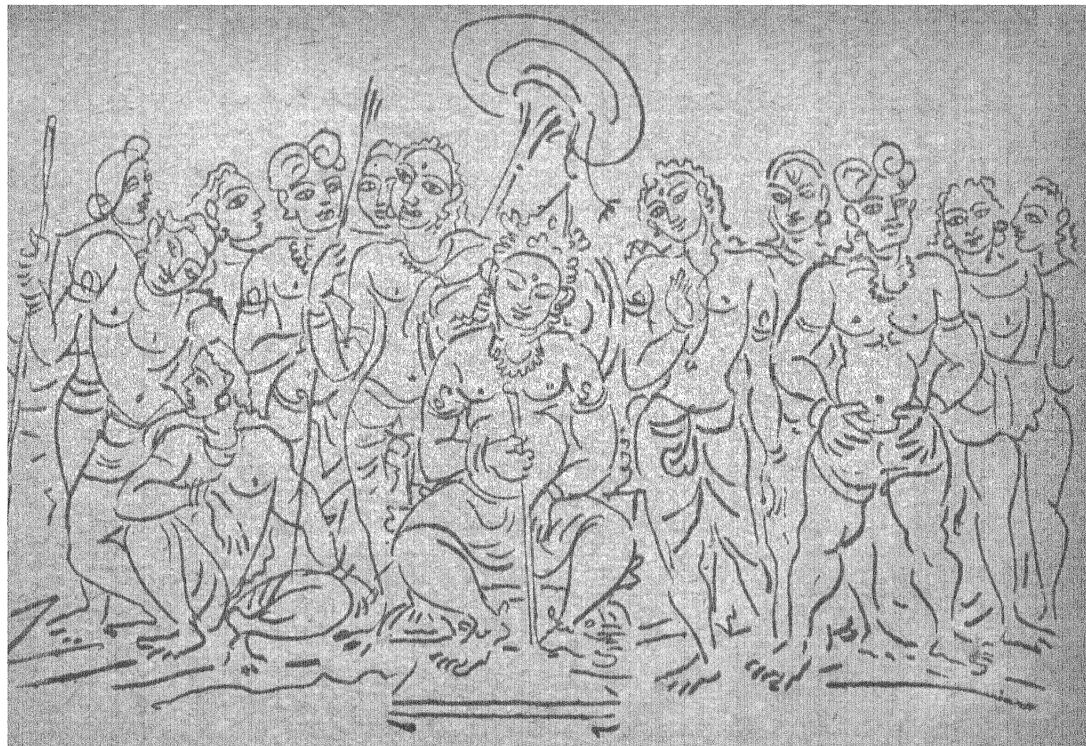
پانڈو کے انتقال کے بعد اس کی ایک بیوی کنتی اور پانچ لڑکے، یدھشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو

ہستنا پور واپس آ گئے۔ ان کے نابینا تائے نے ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا۔ اور انھیں ایک قابل گرُو کے سپرد کر دیا جس کا نام درونڑ اچاریہ تھا۔ گرُو نے ان کو فنِ سپہ گری اور سیاست میں ماہر کر دیا۔

دھرت راشٹر کے سو لڑکے تھے، ان میں سب سے بڑے کا نام دریودھن تھا۔ وہ اپنے چچا زاد بھائیوں، پانڈووں سے حسد کرتا تھا کیونکہ اس کا باپ اُن پر بڑا مہربان تھا۔ اس نے کسی طرح اپنے باپ کو آمادہ کر لیا کہ وہ پانڈووں کو ایک خاص محل میں رہنے کے لئے بھیج دے۔ اس محل میں اُس نے ان سب کو ہلاک کر دینے کا انتظام کر رکھا تھا۔ لیکن پانڈووں کو دریودھن کے ناپاک ارادے کا پتہ چل گیا اور محل سے فرار ہو کر جنگلوں میں چلے گئے۔

جب پانچوں پانڈو جنگل میں اِدھر اُدھر سرگرداں تھے تو ارجُن نے دروپدی کو سوئمبر میں جیت لیا۔ دروپدی کو لے کر جب پانچوں بھائی گھر واپس آئے تو ارجن کے دوسرے بھائیوں نے اپنی ماں کنتی سے کہا "ماں ارجُن نے آج ایک خوبصورت چیز جیتی ہے"۔ ماں نے مزید دریافت کئے بغیر حسب عادت کہہ دیا "ارجُن جو چیز جیت کر لایا ہے، اسے آپس میں سب بھائی برابر برابر بانٹ لو، کیونکہ اچھے بھائیوں کو ہمیشہ یہی کرنا چاہیئے"۔

اس طرح دروپدی پانچوں بھائیوں کی مشترکہ بیوی بن گئی۔ شادی کے موقع پر پانڈووں کی



ملاقات سری کرشن جی سے ہوئی ۔ سری کرشن جی ان کے رشتے سے ان کے بھائی لگتے تھے ۔ اس دن سے سری کرشن جی ان کے مخلص دوست ، سچے رہنما اور ہمدرد گرو بنے رہے ۔



بوڑھے دھرت راشٹر کو جب معلوم ہوا کہ ارجن نے درپدی کو سوئمبر میں جیت لیا ہے تو اس نے پانڈوؤں کو ہستنا پور بلایا ۔ اور اپنی سلطنت کو دو برابر حصوں میں منقسم کر کے ایک حصہ پانڈوؤں کو اور ایک حصہ اپنے بیٹوں کوروؤں کو دیدیا ۔ کچھ عرصہ تک تو کورو، اور پانڈو پُرامن رہے ، لیکن ایک دن یدھشٹر جو کہ پانڈوؤں میں سب سے بڑا تھا، دریودھن سے جُوا کھیلنے لگا ۔ اس طرح یدھشٹر اپنے تمام زر و جواہرات اور مال و دولت ہار گیا ۔ بعد ازاں اس نے اپنی سلطنت کی بازی لگائی اور اسے بھی ہار گیا ۔ پھر اس نے اپنے بھائیوں اور خود اپنی ذات کو داؤ پر لگا دیا اور ہار گیا ۔ بالآخر اس نے دروپدی کی بھی بازی لگا دی اور یہ بازی بھی دریودھن نے جیت لی ۔ اب دریودھن نے حکم دیا کہ دروپدی کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے ۔ اس حکم کو



سُن کر کوروؤں کا ایک راجکمار جس کا نام دُشاسن تھا، دروپدی کو بالوں سے گھسیٹتا ہوا لے آیا۔

بھرے دربار میں دروپدی نے اُمرا اور شرفاء کے سامنے آہ و زاری کی "مجھے بچاؤ، تمھارے بھی بیویاں اور بچے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی بھی ایک بے گناہ عورت کی آبرو بچانے کے لئے تیار نہیں ؟ تمھارے سامنے یہ شرمناک حرکت کی جا رہی ہے۔ تم کیوں خاموش ہو؟ بولتے کیوں نہیں ؟"

پانڈوؤں نے جب یہ سُنا تو شرم و حیا سے اپنی گردنیں جھکالیں۔

دریودھن نے دروپدی کی ساڑھی اتارنے کی کوشش کی۔ اس وقت دروپدی نے کرشن جی سے مدد کی التجا کی۔ اور تمام درباری یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ دروپدی کی ساڑھی بڑھتی چلی گئی اس طرح دروپدی کی عزت بچ گئی۔ لیکن پانڈوؤں کو و بارہ جلا وطن کر دیا گیا۔ دروپدی ان کے

ہمراہ چلی گئی۔

پانڈوؤں سے کہا گیا کہ اگر وہ بارہ برس جلا وطن رہنے کے بعد تیرہویں سال بھیس بدل کر اس طرح رہیں کہ انھیں کوئی شناخت نہ کر سکے تو انھیں ان کی حکومت واپس کر دی جائے گی۔

پانڈوؤں نے بارہ سال بنوں میں گھوم پھر کر گذار دیے۔ تیرہویں سال وہ بھیس بدل کر متسیہ کے راجہ وراٹ کے دربار میں پہنچ گئے اور وہیں ملازم ہو گئے۔ انھوں نے وہاں پورا تیرہواں سال گذار دیا اور انھیں وہاں کوئی بھی پہچان نہ سکا۔ لیکن سال کے آخر میں جبکہ وہ گھر واپس ہونے کا ارادہ کر رہے تھے تو انھیں ایک زبردست مصیبت درپیش آ ئی۔

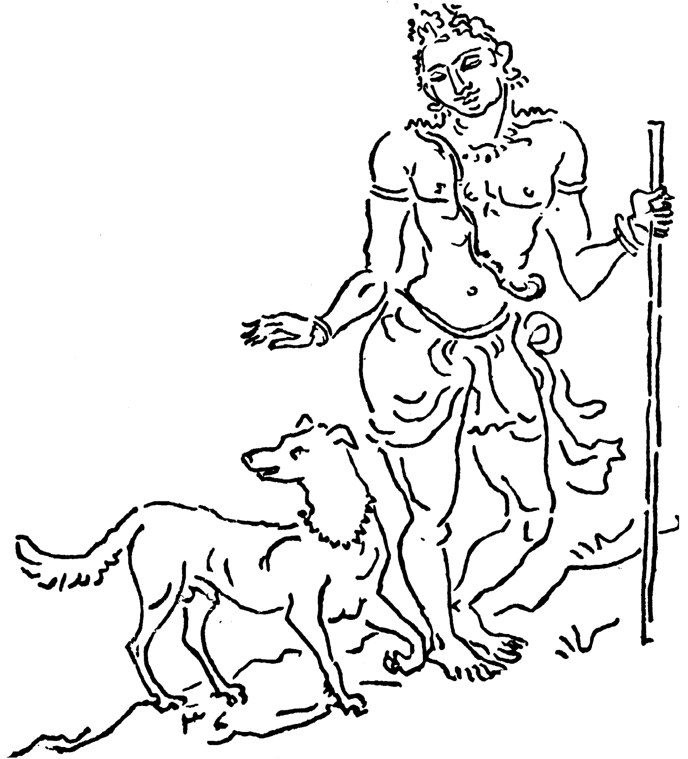
متسیہ کی رانی کا چھوٹا بھائی کیچک دروپدی پر عاشق ہو گیا۔ بھیم یہ برداشت نہ کر سکا اور اس نے کیچک کو مار ڈالا۔

اس حادثہ سے متسیہ میں کہرام بپا ہو گیا۔ جب دریودھن کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے سوچا کہ متسیہ پر حملہ کر دیا جائے، کیونکہ متسیہ کی حالت اس وقت منتشر ہے اور اس طرح وہ متسیہ کو آسانی فتح کر سکے گا۔

اگرچہ بھیم کو اب بھی غصہ چڑھا ہوا تھا تاہم وہ اور اس کے بھائی اب متسیہ کے راجا کے طرف دار

رہے اور اُس کی طرف سے دریودھن سے جنگ کی۔ یہ لڑائی ایک بہت بڑی لڑائی کا آغاز ثابت ہوئی جو کرکشیتر کے میدان میں لڑی گئی ـــــ اس لڑائی میں پانڈوؤں نے کرشن جی کی مدد سے کوروؤں کو ہرادیا۔ اس لڑائی میں ہی کرشن جی اور ارجن کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ بھگوت گیتا میں درج ہے۔ اس کے بعد نابینا دھرت راشٹر نے تخت سلطنت چھوڑ دیا، اور یدھشٹر نے عنان حکومت سنبھال لی۔ اس نے کچھ سال حکومت کی۔ بعد میں ہستنا پور میں اپنے خاندان اور کوروؤں کے خاندان کا ایک ایک وارث چھوڑ کر اپنے بھائیوں، دروپدی اور وفادار کتے کو ساتھ لے کر راجا یدھشٹر اندر دیوتا کی جنت (سورگ) میں پہنچنے کے لئے میرو پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ یدھشٹر کے علاوہ سب بھائی اور دروپدی راستے میں ہی مر گئے۔ وہ اپنے کتے کے ساتھ جنت کے دروازے پر پہونچے۔ وہاں اُن سے کہا گیا کہ اگر جنت میں داخلہ منظور ہو تو کتے کو باہر ہی چھوڑ دو۔ لیکن یدھشٹر نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ بغیر کتے کے جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ کتے کے ساتھ وفاداری دیکھ کر اندر دیوتا بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے یدھشٹر اور انکے کتے کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ یدھشٹر جب جنت میں پہونچے تو انہوں نے سُنا کہ ان کے چاروں بھائی اور دروپدی دوزخ (نرک) کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ سُنتے ہی انہوں نے بغیر اپنے بھائیوں اور دروپدی کے جنت (سورگ)

میں رہنے سے انکار کر دیا۔ لیکن
دراصل اس طرح یدھشٹر کی محبت
جو انھیں اپنے بھائیوں اور
بیوی سے تھی، کو پرکھا جا رہا تھا۔
دیوتاؤں نے چاروں
بھائیوں اور دروپدی کو فوراً
جنت میں یدھشٹر کے پاس
پہونچا دیا۔ اور وہ سب
ہنسی خوشی جنت میں رہنے
لگے۔

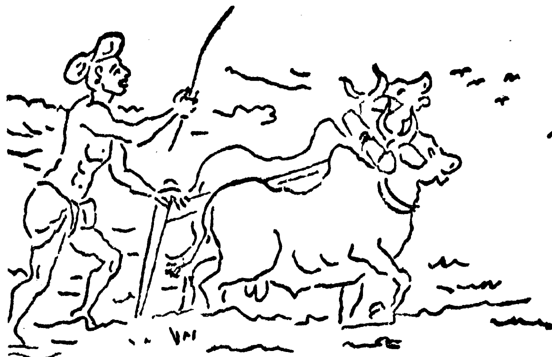


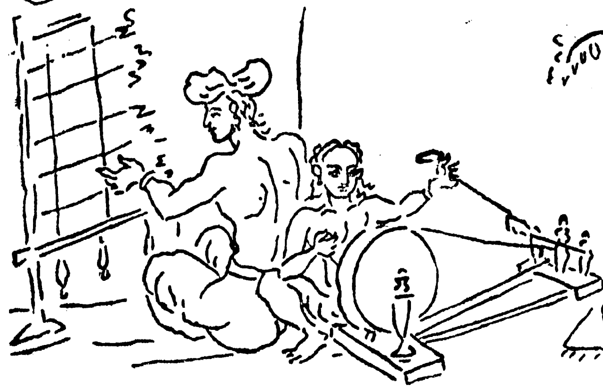
طرزِ رہائش

ان تمام کہانیوں، نظموں اور قصّوں ہی سے ہمیں اپنے آبا و اجداد کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن دنوں تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی۔

اس سے ہمیں ایک خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قدیم زمانے میں ہندوستان میں لوگ اکثر و بیشتر دیہاتی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور سلطنت بدل جانے سے ان کی زندگی کے معیار پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ کیونکہ راجا لوگ بڑے بڑے شہروں میں ہی رہتے تھے۔

راجا اپنے کارندے بھیج دیا کرتا تھا جو کسانوں سے کچھ اناج لگان کے طور پر وصول کر لیا کرتے تھے۔ یہ لگان اس غرض سے لیا جاتا تھا کہ راجا اس کے عیوض دیہات میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے جان و مال کی حفاظت، چور ڈاکوؤں اور دوسرے حملہ آوروں سے کرتا تھا۔ علاوہ ازیں راجا سڑکیں بنواتا اور نہریں کھدواتا تھا۔ اور ملک کا انتظام کرتا تھا۔ راجا کا کارندہ لگان کے طور پر اناج وصول کرتا اور چلا جاتا تھا۔






کسان لوگ مل جُل کر رہتے اور ایک ساتھ کام کرتے تھے۔ وہ لوگ بڑے اتحاد سے رہتے تھے۔ ہر آدمی دوسرے کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ وہ لوگ زندگی مل کر ہی گذارا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر کسان سب کے لئے اناج پیدا کرتا، جُلاہا کپڑا بُنتا، کمہار اپنے چاک سے برتن بناتا، بڑھئی ہل بناتا، لوہار بیلوں کے نعل بناتا، اسکول کا ماسٹر گاؤں کے بچّوں کو تعلیم دیتا۔ ان سب کو کسان بجائے روپے کے اناج دیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس وقت روپیہ کا رواج نہ تھا۔

ہر گاؤں میں اس گاؤں کے پانچ بااثر اور بزرگ لوگوں کی ایک پنچایت ہوتی تھی۔ پنچایت کسانوں کے حقوق کی حفاظت کرتی تھی۔ کوئی ان کے حق کو چھین نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ راجا بھی کسان کا حق نہ چھین سکتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی زمین کا مالک نہیں تھا۔ اُسے صرف کچھ اناج کسانوں سے لگان کے طور پر حاصل کرنے کا اختیار تھا۔

اگر کسی دوسرے ملک کا حکمران ان کے گاؤں پر حملہ کر دیتا تھا تو گاؤں کے تمام کسان اپنے مویشیوں اور گھر کے برتن بھانڈوں کے ساتھ کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتے تھے۔ جہاں پنچایت انہیں کھیتی باڑی کرنے کے لئے نئی زمین دیدیتی تھی۔ اگر کسی خاندان کے پاس زمین اتنی کم ہوتی تھی کہ اس کی پیداوار ان کے خاندان کے افراد کے لئے پوری نہ ہوتی ہو تو وہ خاندان پنچایت سے غرض گذار

ہوتا تھا کہ اُسے مزید زمین دی جائے۔ پنچایت بآسانی انھیں مزید زمین جوتنے کی اجازت دیدیتی تھی۔ کیونکہ اس وسیع و عریض ملک میں ہر ایک کے لئے کافی زمین موجود تھی۔ لوگ آرام وچین سے زندگی بسر کرتے تھے ــــ ان میں اٹوٹ میل ملاپ ہوتا تھا ــــ ہماری خواہش ہے کہ آج کل بھی گاؤں میں لوگ اسی زمانے کی طرح پورے میل ملاپ سے رہیں۔

زندگی کا یہ طرز اس طرز سے مختلف تھا جس کا انگلینڈ میں رواج ہوا۔ وہاں ساری زمین بادشاہ کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ اور وہ اپنے درباریوں کو جاگیریں بطور انعام دیا کرتا تھا۔ کسان لوگ جاگیردار کی رعایا تصور کئے جاتے تھے ــــ یہ لوگ ایک طرح سے جاگیرداروں کے غلام ہی تھے۔ سیکڑوں سال کی کوشش کے بعد انگلینڈ والے اس غلامی سے چھٹکارا پا سکے۔

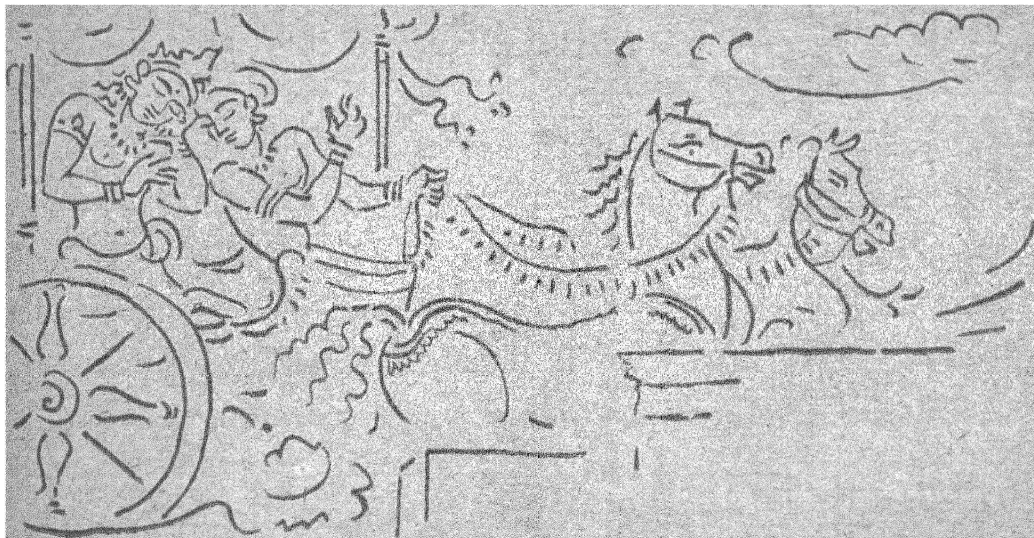
مہاتما بُدھ

(۵۶۳ ق ۔ م سے ۴۸۳ ق ۔ م تک)

یوں تو لوگ زراعت کر کے اپنی زندگی گذار رہے تھے ۔ لیکن ویدوں کے آخری عہد میں لوگوں کی حالت منتشر ہو گئی ۔ کیونکہ ایک ذات دوسری ذات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگی ۔ برہمنوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور وہ نیچی ذات والوں کے ساتھ نہایت ذلیل برتاؤ کرنے لگے ۔

اس زمانہ میں چھتریوں میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے شودروں کے ساتھ دوستی کا سلوک کیا — اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روزمرہ کی زندگی میں انھیں شودروں سے کام لینا تھا —

اس وقت سدّھارتھ نام کا ایک چھتری راج کمار ہوا جس نے برہمنوں کے ظلم اور تشدد کے خلاف آواز بلند کی ۔ اور اس نے نچلی ذاتوں کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ وہ بھی انسان ہیں ۔ سدّھارتھ کپل وستو کے راجا کا بیٹا تھا — جب وہ سات ہی دن کا تھا کہ اس کی ماں کا انتقال



ہوگیا۔

اس کے باپ نے اس کو بڑے ناز و نعم سے پالا۔ اس نے سِدّھارتھ کے لئے تین محل بنوائے۔ ایک

جاڑوں کے لئے، ایک گرمیوں کے لئے اور ایک برسات کے لئے۔ اُس نے اپنے بیٹے کے لئے عیش و عشرت، تفریح اور کھیل کود کے تمام وہ سامان فراہم کر دیئے، جو ایک راج کمار کے شایان شان ہوتے ہیں۔ اُس نے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ سدھارتھ دُنیا والوں کے دُکھوں کو نہ دیکھ سکے۔ لیکن سدھارتھ کو بچپن ہی سے غور و فکر کی عادت تھی۔ کم سِنی میں ہی وہ ایسے ایسے سوالات دریافت کرنے لگا جن کا جواب بہت مشکل یا ناممکن تھا۔ اس کا ذہن گھریلو زندگی کی طرف راغب کرنے کے لئے اس کے باپ نے اس کی شادی اُس کے خاندان کی ایک راج کماری یشودھرا سے کر دی۔



ایک دن جب سدھارتھ شاہی رتھ میں بیٹھا تفریح میں محو تھا تو اُسے ایک ضعیف آدمی نظر آیا جس کے تمام جسم پر جھریاں ہی جھریاں تھیں۔ دوسرے دن

جب وہ باہر جا رہا تھا تو اسے ایک بیمار آدمی دکھائی دیا۔ پھر ایک دن اُس نے ایک مُردہ دیکھا جس کی میت لے جائی جا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے دل میں درد پیدا ہوا۔ اور اس نے چلّا کر کہا:
"اگر اسی کا نام زندگی ہے تو لعنت ہے زندگی پر"!

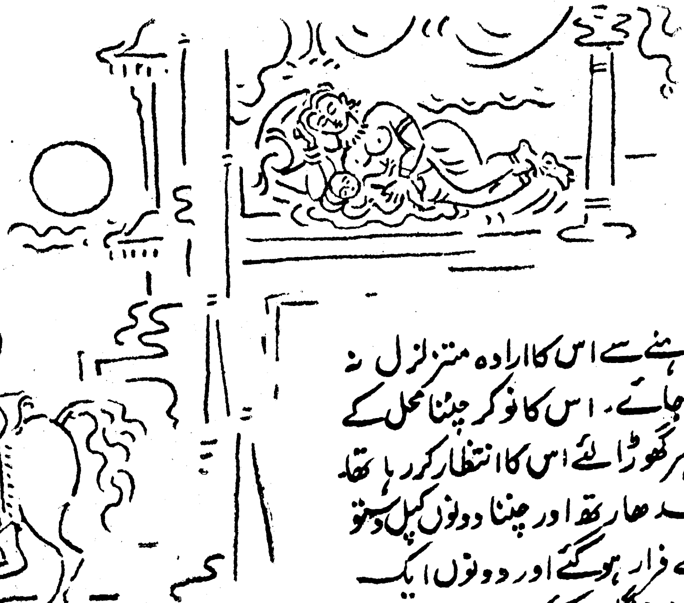
کچھ دنوں بعد اُسے ایک سادھو ملا جس کے چہرے پر نُور سا تھا۔ اس سادھو کو دیکھ کر اُس نے بھی سادھو بننے کا ارادہ کر لیا۔

سادھو بننے کے لئے وہ اپنے باپ سے اجازت ہی لینے والا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ اس کی بیوی یشودھرا کے لڑکا ہوا ہے۔ سدھارتھ نے بچے کا نام راہل رکھا۔ جس کے معنی "رُکاوٹ" ہیں۔ سدھارتھ نے بچے کا یہ نام اس لئے تجویز کیا کہ وہ جانتا تھا کہ بچے کی محبت اس کی راہ میں رُکاوٹ بن کر آئے گی۔ ایک طرف عیش و آرام سے بھرپور زندگی اور دوسری طرف سنیاس لینے کی خواہش۔

ایک رات شاہی محل میں دعوت تھی۔ سدّھارتھ نے دیکھا کہ اس کے دوست رقص و سرود میں مگن ہیں۔ لیکن اس کی طبیعت اس طرف سے بھی اُچاٹ تھی۔

اُس رات کو جب سارا گھر سو گیا تو وہ بستر سے اٹھا اور گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی بیوی کے کمرے میں گیا، حسین یشودھرا محو خواب تھی۔ اس کا ایک بازو راہل کے گرد تھا۔ اس نے آہستہ سے

دونوں کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد
اس نے اپنا مُنہ پھیر لیا۔ اس لئے
کہ کہیں زیادہ دیر تک دیکھتے



رہنے سے اس کا ارادہ متزلزل نہ
ہوجائے۔ اس کا نوکر چھنا محل کے
باہر گھوڑا لئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔
سدھارتھ اور چھنا دونوں کپل وستو
سے فرار ہو گئے اور دونوں ایک
گھنے جنگل کے کنارے پہونچے۔
یہاں سدھارتھ نے اپنا قیمتی

لباس اور زر و جواہرات اُتار ڈالے اور خوب صورت بالوں کو مونڈ دیا اور اس نے چھنا سے میرے جواہرات کپڑے اور، گھوڑا لے کر گھر لوٹ جانے کو کہا ۔ چھنا اپنے مالک سے رخصت ہوتے وقت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔ لیکن سدھارتھ نے اُسے تسلی دی اور واپس بھیج دیا ۔

سدھارتھ کچھ عرصے تک ہمالیہ کے پہاڑوں میں سرگرداں رہے اور بہت سے سادھوؤں کے درشن کرتے رہے ۔ گاہے گاہے وہ آم کے درختوں کے جھنڈ تلے بیٹھ کر اُن ساری باتوں پر سوچ و چار کرتے، جو ان سے سادھو کہا کرتے تھے ۔ لیکن اس طرح ان کے دل کی پیاس نہ بجھی ۔

یہ خیال کرتے ہوئے کہ اُنھیں تب تک معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ تن اور من صاف نہ ہو، انہوں نے ایک طویل برت رکھا ۔ سادھو کی حیثیت سے اُن کی شہرت اس طرح دور و دراز پہنچ گئی، جیسے آسمان میں آویزاں کسی گھنٹے کی آواز ـــــ لیکن کہاں ؛ برت اور تپسیا بھی انھیں وہ چیز نہ دے سکے جس کے لئے ان کا دل بے چین تھا ۔

سدھارتھ پھر جگہ جگہ گھومنے لگے ۔ اور سادھوؤں سے موت و حیات اور روح و خدا کے متعلق بحث و مباحثے کرنے لگے ۔ لیکن انھیں محسوس ہوا کہ وہ لوگ صرف باتیں بنانا جانتے ہیں ۔



ایک دن وہ
بہار میں گیا کے
پاس ایک پیپل کے
سائے میں دھیان
لگائے بیٹھے تھے۔
کہتے ہیں کہ اس
وقت ایک شیطانی
روح ماران کے
سامنے نمودار
ہوئی — اور
بولی :-

" دیکھو ! تمھارے چچا زاد بھائی ، دیو دت نے تمھارے والد کی حکومت چھین لی ہے۔ اگر تم میرا کہا مانو تو میں دیو دت کو ہٹا کر تمھیں گدی پر بٹھا دوں۔ لیکن سدھارتھ نے جنھیں گوتم بھی کہا جاتا تھا اس کی بات نہ مانی۔

اس پر مار اور اس کے دوسرے بد بیت ساتھیوں نے آگ کا ایک طوفان بپا کر دیا۔ لیکن جب سدھارتھ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو انھوں نے سخت چٹانوں اور پتھروں کے ٹکڑے برسانے شروع کر دیئے۔ لیکن گوتم کو ان چیزوں سے قطعی نقصان نہیں پہنچا بلکہ یوں محسوس ہوا کہ اُن پر پھول برس رہے ہیں۔

اس کے بعد مار نے گوتم سے کہا کہ وہ زمین پر نہیں رہ سکتے کیونکہ ساری زمین کا وہ مالک ہے۔ اس پر گوتم نے اپنی ساری نیکیوں اور خوبیوں کا واسطہ دے کر دھرتی ماتا سے پوچھا :

" بولو دھرتی ماں ! تم کس کی ہو ؟" دھرتی ماں نے جواب دیا " میں گوتم کی ہوں "۔

اب مار نے اپنی تینوں بیٹیوں سے کہا کہ وہ خوب بن سنور کر نازو ادا کے ساتھ گوتم کے پاس جائیں اور سُریلے گانوں اور مست کُن ناچوں سے گوتم کا دھیان اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ لیکن یہ لڑکیاں بھی گوتم کے دل کو نہ لُبھا سکیں۔

مار ہار گیا اور گوتم کا دھیان نہیں ٹوٹا۔ تھوڑی دیر بعد ان کے دل میں نورِ معرفت لمعہ فگن ہوا اور وہ صداقت کو پہچان گئے۔ ان کا دل دنیا کے سارے جھگڑوں کے لئے محبت میں بھر گیا۔ اس دن سے وہ "بدھ یعنی" "عارف" کے نام سے دنیا میں مشہور ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک گڈ ریئے کی لڑکی سُرجات مہاتما بدھ کے لئے کھیر کا ایک کٹورا لائی جس سے انہوں نے اپنا برت کھولا۔ یہ کھیر کا کٹورا پہلی چیز تھی جو ان کو مہاتما بننے کے بعد پیش کیا گیا۔

پھر وہ بنارس گئے اور وہاں جا کر انہوں نے اپنے دوستوں اور سادھوؤں کو بتایا کہ برت رکھنے اور دھیان لگانے سے انھیں کیا حاصل ہوا۔

بدھ کا کہنا ہے کہ جو پیدا ہوگا وہ یقیناً مرے گا بھی۔ آدمی بھی مرتا ہے۔ وہ جب تک اپنی تمام خواہشات سے کنارہ کش نہ ہو جائے گا تب تک وہ مصیبتوں میں مبتلا رہے گا۔ برت رکھنے اور تپسیا کرنے سے غموں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ سکون اور خوشی حاصل کرنے کے لئے اُسے دھرم کے آٹھ اصولوں پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

وہ آٹھ اصول یہ ہیں :-

پاکیزہ خیالات۔ نیک خواہشات۔ راست گوئی۔ نیک چلنی۔ پاکیزہ زندگی۔ نیک کوششیں۔ درست دماغ۔ نیک کوششیں۔

بھکشوؤں یعنی پیروؤں کے لئے ان آٹھ اصولوں پر عمل کرنا لازمی تھا۔ لیکن عام آدمیوں کے لئے انہوں نے پانچ اصول وضع کئے۔ وہ یہ ہیں:۔

کسی جاندار کو نہ مارو۔ چوری نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ بدچلنی سے پرہیز کرو۔ نشیلی اشیاء سے پرہیز کرو۔

اس طرح بدھ نے عام لوگوں کے لئے ایک ایسا راستہ نکال دیا جس پر چلنا نہ بہت آسان تھا نہ بہت مشکل۔ اور یہ دھرم لوگوں کو مل جل کر رہنا سکھاتا تھا۔ اسی لئے اسے "درمیانی راستہ" کہتے ہیں۔

بدھ کی تعلیم یہ بھی ہے کہ اگیان (جہالت) دنیا میں سب سے بڑی لعنت ہے۔ گیان (علم) سے عقل اور شعور پیدا ہوتا ہے۔ کوئی آدمی کسی دوسرے سے کم تر نہیں۔ اور ہر ایک آدمی کو اسکے اعمال و افعال کی روشنی میں جانچنا چاہئے۔

بنارس میں مہاتما بدھ نے پہلے پانچ چیلے بنائے اور بعد میں جب کچھ اور لوگ چیلے بن گئے

تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ جگہ جگہ گھوم پھر کر بدھ دھرم کی تبلیغ و اشاعت کریں۔ وہ خود بھی جگہ جگہ پھر کر سادھوؤں اور پنڈتوں سے مباحثے کرنے لگے۔

ایک برہمن جس کا نام کیشپ تھا ان کا بڑا مخلص شاگرد ہو گیا۔

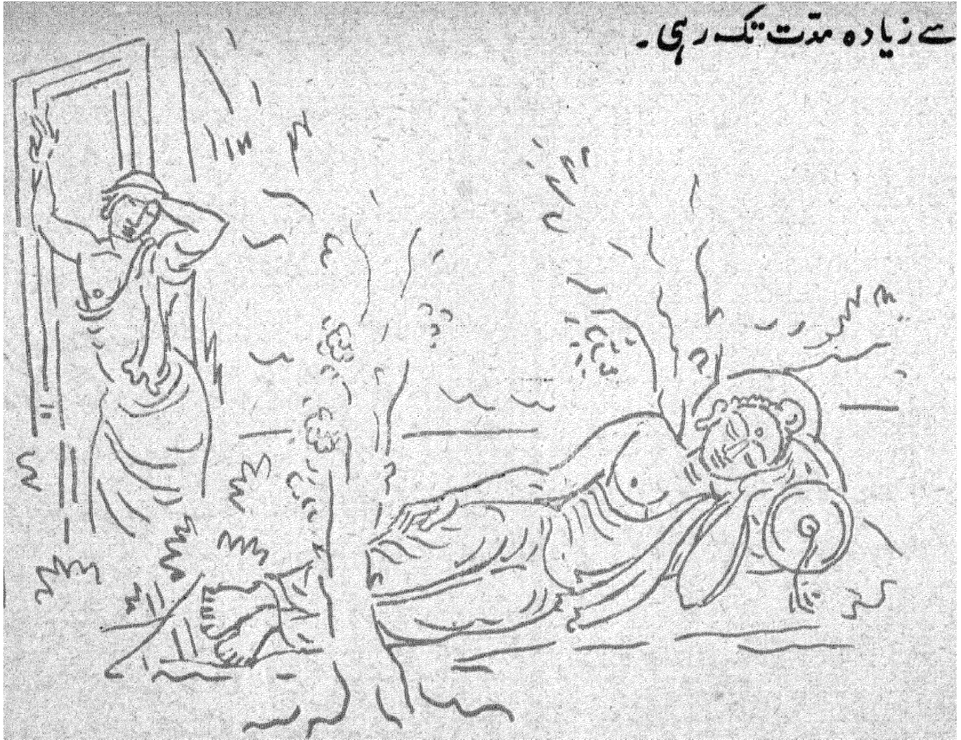
اس کے بعد وہ کپل وستو گئے اور وہاں اپنے والد اور خاندان کے دوسرے افراد کو اپنے دھرم میں شریک کر لیا۔ ان کا بیٹا راہل بھکشو اور بیوی یشودھرا بھکشنی ہو گئیں۔

راجاؤں سے لے کر نائی اور مہتروں تک ہر ذات اور طبقے کے لوگ بدھ کے پیرو ہو گئے۔ بدھ کی تعلیم ملک کے ہر ہر گوشے میں پھیل گئی۔

بدھ کی موت اسی سال کی عمر میں کُسیم گڑھ میں واقع ہوئی جو بنارس سے بیس میل دور شمال مشرقی گوشہ میں ہے۔ بدھ نے مرتے وقت اپنے چیلے آنند سے کہا جو انھیں دم توڑتے دیکھ کر زار و قطار رو رہا تھا "اے آنند! تم خود ہی اپنے رہنما بنو۔ صداقت کی مشعل کو مضبوطی سے پکڑے رہو (یعنی سچائی پر قائم رہو۔)

دنیا کے عظیم ترین انسانوں میں سے ایک کی زندگی اور موت کا بیان یہ تھا۔ مہاتما بدھ کی جگائی ہوئی جوت ہندوستان میں تو بجھ کر رہ گئی لیکن سارے ایشیائی ملکوں میں ایک ہزار سال

سے زیادہ مدت تک رہی۔



نالندا اور ٹکشلا

مہاتما بدھ کی موت کے بعد ان کی تعلیم کے بارے میں بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ یہ کتابیں پالی زبان میں تھیں۔ یہ زبان پراکرت سے نکلی تھی جو اُس زمانے میں عوام کی زبان یا بولی تھی۔ مہاتما بدھ سب لوگوں کو عام بول چال کی زبان میں ہی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کتابوں میں بدھ کی زندگی کے متعلق بہت سی کہانیاں درج ہیں۔ بدھ کے اقوال کو ان کتابوں میں زیادہ صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔

بدھ کی تعلیم سے اس ملک کے لوگوں کے دلوں میں بڑی بڑی امیدیں پیدا ہونے لگیں۔ عام لوگوں کو یہ سمجھنے کا شوق ہوا کہ زندگی کیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں بہت سے اسکول اور کالج کھولے گئے۔ ان میں سے نالندا اور ٹکشلا کی یونیورسیٹیوں کے نشانات آج بھی ملتے ہیں۔ ان یونیورسیٹیوں میں ہندستان کے مختلف حصوں ہی سے نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک مثلاً چین، برما، ایران اور مصر کے طالب علم بھی آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔

جین مَت

اُن ہی دنوں میں جبکہ بدھ نے اپنا محل چھوڑا تھا، مگدھ (موجودہ بہار) میں ایک دوسرا چھتری راج کمار وردھمان رہتا تھا۔ وہ عیسیٰ سے ۵۴۰ برس پہلے پیدا ہوا۔ سن بلوغ کو پہونچ کر وہ بھی سادھو (فقیر) بن گیا۔ گوتم کی طرح اُس نے بھی برت رکھے، بھجن گائے اور سادھو سنتوں کی صحبت میں رہا۔ بارہ سال کی سخت ریاضت کے بعد اس نے اپنے من کی دُنیا پر قابو حاصل کر لیا اور جین یا روحانی فاتح بن گیا۔ اس کو مہاویر یا عظیم ہیرو بھی کہتے ہیں۔ اس نے اپنی عمر کے باقی تیس سال اپنے مذہب کی تبلیغ میں صرف کر دیے۔ اس کے قبیلے کے بہت سے لوگ اس کے چیلے بن گئے۔

مہاویر کی رائے ہے کہ آدمی بار بار تکلیف برداشت کرنے کے لئے مرتا اور پیدا ہوتا ہے۔ اگر آدمی برت رکھے، پوجا کرے، دنیا کی تمام لذتوں سے کنارہ کر لے اور دھرم کے چار اصولوں پر عمل کرے تو بار بار مرنے اور پیدا ہونے کے جنجال سے نجات پا سکتا ہے۔ دھرم کے چار اصول یہ ہیں:۔

نیکی، نرمی، خدمت — اور (پرائیشچت) اپنے گناہوں پر افسوس کرنا۔

دھرم کے ان چار اصولوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی کا علم اور ایمان سچا ہو۔ اس کے سب کام سچے ہوں۔ وہ سب جانداروں پر رحم کرے۔ جین لوگ تمام جانداروں پر حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے کیڑے مکوڑوں پر بھی رحم کرتے ہیں۔ بہت سے جینی لوگ تو اپنی ناک پر کپڑے کی پٹی باندھ رکھتے ہیں تاکہ سانس لینے سے کیڑے اور جراثیم نہ مر جائیں۔ جینی لوگ انڈا، گوشت اور مچھلی کھانے کے سخت خلاف ہیں۔ جینیوں کے موجودہ بڑے بڑے مندر۔ آبو پہاڑ، اور پالیتانا، اور گرنار پربت پر ہیں۔

جین مت کے زیادہ مقبول نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مہاویر نے زور دیا کہ آدمی سب سے زیادہ اپنے من کو مارے اور دنیا کے سب آرام چھوڑ دے۔ لیکن مہاتما بدھ نے یہ سکھایا کہ آدمی نہ تو بالکل دنیاداری سے علیحدہ ہو اور نہ ہی بالکل عیش و آرام کا بندہ ہو جائے۔ جین مت کے اصولوں پر چلنا بہت مشکل تھا۔ جین مت بہت سی باتوں میں ہندو دھرم سے ملتا جلتا تھا اس لئے — ہندو دھرم نے اسے اپنے میں ملا لیا۔



سکندر

جس وقت ہندوستان میں بودھ مت عروج پر تھا، اس وقت ایرانی سلطنت کے قدم مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ایران کا شہنشاہ اس وقت دارا تھا۔ دوسرے بڑے بادشاہوں کی طرح اُسے بھی یہ دُھن سوار تھی کہ ملک پر ملک فتح کرکے اپنی سلطنت کو وسیع کرے۔ اسی خیال کو مدنظر رکھ کر اُس نے یونان پر حملہ کر دیا۔ یونان اس وقت چھوٹی چھوٹی بہت سی ریاستوں میں منقسم تھا۔ لیکن یونانی اپنی آزادی کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے

اس لئے اس موقع پر وہ سب اکٹھے ہو گئے اور سب نے مل کر ایرانی فوجوں کو میراتھون کے مقام پر شکست دیدی۔

دارا کے بعد ایران کی شہنشاہیت زارکیسس کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے بھی یونان پر حملہ کیا۔ یونان کے ایک حصے، اسپارٹا کے لوگوں نے لیونڈس کو ایرانیوں کے مقابلے کو روانہ کیا۔ لیونڈس نے اسپارٹا کے صرف تین سو سپاہیوں کے ساتھ تھرموپائلی کے درّے کی بہادری سے حفاظت کی۔ اور وہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ میں کام آگیا۔ ایرانی درّے سے گذر تو گئے لیکن اس لڑائی میں انھیں کافی دیر لگی۔ بالآخر سلامیس کے قریب ایرانیوں اور یونانیوں میں ایک زبردست بحری جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کی فوجوں کا قلع قمع ہو گیا۔

اس کے بعد یونانی ریاستوں میں ترقی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے علوم فنون میں بڑی ترقی کی۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے فاضل مدبر اور اعلیٰ فلسفی وہیں پیدا ہوئے۔ شاعری اور دستکاری بام عروج پر پہنچ گئی۔

یونان کی ریاستوں میں ایک ریاست مقدونیہ نام کی تھی۔ اس ریاست پر فلپ نام کا ایک حکمراں حکومت کرتا تھا۔ اس کے ایک بیٹا تھا، جس کا نام الگزینڈر یا سکندر رکھا گیا۔ ارسطو اسی سکندر کا

استنا د تھا۔ سِن و سال کی ترقی کے ساتھ ساتھ
سکندر کی قابلیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ لیکن
ساتھ ہی ساتھ اُسے اپنی طاقت پر غرور ہوگیا۔
وہ ایرانیوں سے یونان پر حملہ کرنے کا انتقام
لینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایران پر حملہ
کردیا۔ ایران پر اس وقت دارا سوم حکومت
کرتا تھا جو زارکسیس کا بیٹا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایران کی فتح یابی کے بعد
سکندر نے خیال کیا کہ اس نے پوری دنیا فتح
کرلی ہے اور اب دنیا میں کوئی بھی ملک ایسا
نہیں جسے اُسے فتح کرنا ہے۔ اس خیال سے
وہ اتنا رنجیدہ ہوا کہ اس کے آنسو نکل آئے
اس وقت اُس سے کسی نے کہا "ابھی پوری



دنیا فتح نہیں ہوئی ہے، ایک ملک اور باقی ہے، جسے ہندوستان کہتے ہیں"۔ سکندر نے یہ سن کر ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ سکندر کا ہندوستان پر یہ حملہ حضرت عیسیٰ سے ۳۲۶ سال پہلے ہوا۔

اس وقت شمالی ہند میں راجہ پُورو حکمراں تھا۔ جسے یونانی پورس کہہ کر پکارتے تھے۔ پورو نے بڑی جوانمردی سے سکندر کا مقابلہ کیا۔ اُس کی سپاہ بڑی ثابت قدمی اور دلیری سے لڑی۔ لیکن سکندر کی فوج میں گھوڑوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ادھر پورو کی فوج میں ہاتھی کثیر تعداد میں تھے۔ گھوڑے ہاتھیوں کے مقابلے میں زیادہ تیز دوڑ سکتے تھے، اس وجہ سے پورو کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ لڑائی کے بعد جب پورو سکندر کے سامنے پیش کیا گیا اور سکندر نے اس سے دریافت کیا "بتاؤ! تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" تو پورو نے بڑی شان اور بہادری سے جواب دیا "وہی، جیسا بادشاہ، بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں"۔ سکندر اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور اس نے خوش ہو کر پورو کی حکومت اسے واپس کر دی اور خود جنوب کی جانب کوچ کر گیا۔

اس زمانے میں سارے ملک کے باشندے دیہاتوں میں زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اوپر خود ہی راج کرتے تھے۔ اس لئے انھیں شکست دینا بہت مشکل تھا۔ وہ گوریلا بندروں کی طرح اچانک سکندر کی فوجوں پر حملہ کر دیا کرتے اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو جایا کرتے۔

اس طرح سکندر کے سپاہی گھبرا گئے۔ انھیں اپنا وطن چھوڑے بھی کافی عرصہ ہو چکا تھا، انھیں اپنا گھر یاد آنے لگا۔ اس لئے دنیا کے اتنے بڑے فاتح سکندر کو واپس لوٹنا پڑا۔ وہ کشتیوں میں سوار ہو کر دریائے سندھ کے بہاؤ کے ساتھ چل دیا۔ لیکن تمام راستے اسے چھوٹی موٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جس سے اس کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ اس طول و طویل سفر کو ختم کر کے جب وہ ایران پہنچا تو اس کی صفوں میں بہت تھوڑے سے سپاہی رہ گئے تھے۔ وہ خود بھی بہت تھک چکا تھا۔ آخر کار بیبلن (بابل) کے مقام پر سکندر کا انتقال ہو گیا۔ مرتے وقت اس کی عمر صرف تینتیس ۳۳ سال تھی۔ موت نے اس کے دنیا کو فتح کرنے کے خواب کو بھی ختم کر دیا۔

سکندر بڑا مغرور، شرابی اور ظالم حکمران تھا۔ اس کی شہرت کا باعث صرف یہ وجہ تھی کہ اس وقت تک کسی کے دماغ میں دنیا کو فتح کرنے کا خیال نہ آیا تھا۔ مصر میں اسکندریہ شہر اسی کے نام پر آباد ہوا۔

جو علاقے سکندر نے فتح کئے تھے، اُن پر اس کے جنرل حکومت کرنے لگے۔ بہت سے یونانی ہندوستان میں ہی آباد ہو گئے۔ انہوں نے ہندوستان میں رہ کر ہندوستانیوں سے رہنے بتانے

گئے اور آخر کار ہندوستانی بن گئے۔

موریہ خاندان

(۳۲۲ ق ۔م سے ۱۸۴ ق ۔م تک)

سکندر کے حملے کے بعد تمام شمالی ہند پر چندر گپت موریہ نے اپنے دوست چانکیہ کی مدد سے قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کے سارے راجا موریہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ موریہ راجہ بڑے عقل مند، علم دوست اور منصف مزاج تھے۔ چانکیہ ایک بڑا قابل مدبر اور دانش ور تھا۔ اس کی تصنیف کی ہوئی ایک کتاب ارتھ شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ موریہ راجا اپنی پرجا کی مرضی سے حکومت کرتے تھے۔ جب کوئی راجا گدی پر بیٹھتا تھا تو اُسے یہ حلف اٹھانا پڑتا تھا :۔

" اگر میں آپ لوگوں پر ظلم کروں، تو میں مارا جاؤں، میرے کوئی اولاد نہ ہو اور میں نرک (دوزخ) میں جلایا جاؤں"

چندر گپت نے اپنی حکومت کے سارے صوبوں کو ایک ایک اکائی کی شکل میں مضبوط کیا۔



اور یونانیوں پر قابو حاصل کرلیا۔ لیکن سیلوکس جو سکندر کا پرانا جنرل تھا، ایک لشکر جرار لے کر چندرگپت موریہ کے مقابلے کو آیا۔ چندرگپت کی طاقت بہت زیادہ تھی اس لئے سیلوکس نے شکست کھائی۔ اور اپنی ایک بیٹی کی شادی چندرگپت کے ساتھ کردی۔

چندرگپت بڑا محنتی انسان تھا۔ وہ آبنوسی بیلنوں سے جسم کی مالش کرانے کا بڑا شوقین تھا۔ جس وقت ملازم اس کی مالش میں مصروف ہوتے تھے تب بھی وہ رعایا کی فریاد سننے کے لئے تیار رہتا تھا۔

سیلوکس نے اپنے ایک سفیر میگیستھینز کو چندرگپت کے دربار میں بھیجا۔ میگیستھینز نے چندرگپت اور اس کے عہد کے حالات پر ایک بڑی معلوماتی کتاب لکھی۔ اس کتاب اور ارتھ شاستر سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ چندرگپت موریہ کا انتظام سلطنت کتنا عمدہ تھا۔

اس زمانے میں بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں اور خوب صورت چیزیں بنائی گئیں۔

پاٹلی پتر

موریہ راجاؤں کی راج دھانی ہندوستان کا مشہور اور قدیم شہر پاٹلی پُتر تھا۔ یہ شہر اٹلی کے شہر روم سے چار گُنا بڑا تھا۔ موجودہ پٹنہ شہر اسی شہر کے کھنڈروں پر آباد ہے۔

پاٹلی پتر کا انتظام ایک میونسپل کمیٹی کے ہاتھ میں تھا۔ یہ کمیٹی غالباً اپنی قسم کی ہندوستان میں پہلی چیز تھی۔ ایک دوسری کمیٹی بھی تھی جو شہر کے باشندوں کی پیدایش و اموات سے متعلق کا غذات رکھتی تھی۔ یہ کمیٹی کچھ اور ضروری باتوں کے اعداد وشمار بھی رکھتی تھی۔ ہمارے ملک کے اس عہد سے قبل بہت ہی کم ملک ایسے تھے جہاں ایسی کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آبا واجداد کس قدر مہذب تھے۔

پاٹلی پُتر کی حفاظت کے لئے شہر کے چاروں طرف ایک لکڑی کا مضبوط گھیرا بنا یا گیا تھا ——— جو دراصل فصیل شہر تھا۔ جس میں چونسٹھ (۶۴) دروازے اور پانچ سو (۵۰۰) سے زائد بُرجیاں بنائی گئی تھیں۔ اس فصیل کے اردگرد ایک گہری کھائی بنی ہوئی تھی، جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔

راجا کا محل لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک پتھروں کے مکانات نہ تھے۔ محل کے ستونوں پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ جن پر سونے کی بیلیں اور چاندی کی چڑیاں بڑی ہنرمندی سے بنائی گئی تھیں۔ محل میں ایک بڑا باغیچہ تھا جس میں خوب صورت درخت اور تالاب تھے۔ تالابوں میں مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں۔

یہ محل اب بانکی پور اور پٹنہ کے درمیان کمراہر نام کے گاؤں کے نیچے دبا پڑا ہے۔ شاید موہن جو داڑو اور دوسرے شہروں کی طرح اس عظیم الشان محل اور شہر کی بھی کبھی کھدائی ہو۔

اشوک

(۲۶۸ ق۔م۔ سے ۲۲۷ ق۔م تک)

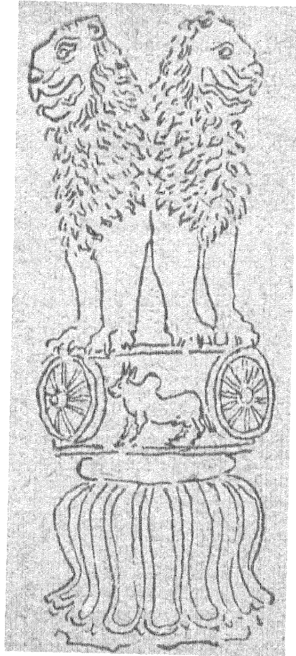
اب ہم اس سمراٹ (شہنشاہ) کا حال لکھتے ہیں جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے سب سے بڑے سمراٹوں میں سے ایک تھا۔ وہ چندرگپت موریہ کا پوتا تھا اور اس نے اپنے باپ دادوں سے وراثت میں ایک عظیم سلطنت پائی تھی۔

اشوک ایک نیک کردار راجا تھا۔ اس نے مہاتما بدھ کی تعلیمات کو اپنے دل میں اچھی طرح بٹھا لیا۔ اُس نے تلوار سے زیادہ محبت کے بل پر فتوحات حاصل کیں۔

دراصل کالنگ کی لڑائی کے بعد ہی اس کا دل خون ریزیوں سے پھر گیا تھا۔ کلنگ کو آج کل آندھرا کہتے ہیں۔ کلنگ کی لڑائی میں جو تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری ہوئی اسے دیکھ کر اشوک کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے اسی وقت مصمم ارادہ کیا کہ اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کے لئے وہ کبھی ہرگز جنگ نہ کرے گا۔ اس نے کہا "دنیا میں سب سے بڑی فتح نیکی سے حاصل ہوتی ہے"۔ اس نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے دل سے اس خیال خام کو نکال ڈالیں کہ جنگ کر کے سلطنت کو فروغ دینا راجاؤں کا فرض (دھرم) ہے۔ اگر کبھی لڑائی ناگزیر ہی ہو جائے تو بھی صبر اور نیکی سے کام لینے سے خوشی ہوگی۔

اشوک نے مسافروں کے لئے آرام گاہیں اور بوڑھوں اور بیماروں کے لئے اسپتال قائم کرائے اس نے جانوروں کے علاج کے واسطے بھی ایک اسپتال بنوایا۔

اُس نے اپنے مشہور و معروف چودہ فرمان چٹانوں اور ستونوں پر کندہ کرائے۔ ان میں سے کچھ ستون تو آج تک موجود ہیں۔ ایک ستون الہ آباد کے قلعے میں ہے۔ یہ فرمان پراکرت میں



لکھے گئے تھے۔ پراکرت اس وقت عام لوگوں کی زبان تھی۔ اس زبان میں لکھے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح ہر آدمی انھیں سمجھ سکے گا۔

ہمارے قومی جھنڈے پر جو چکّر بنا ہوا ہے اور ڈاکخانے کے کچھ ٹکٹوں پر جو تین شیروں کی تصویر چھپی ہوتی ہے، وہ اشوک کے ستونوں سے نقل کی گئی ہے۔

پچیس ۲۵ سال حکومت کرنے کے بعد اشوک نے بودھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی۔ اس نے کپل وستو، سارناتھ اور گیا کا دورہ کیا۔ بنارس کے نزدیک، لمبنی کے باغوں میں جہاں مہاتما بدّھ پیدا ہوئے تھے، اشوک نے ایک ستون تعمیر کرایا، جس پر لکھا گیا " وہ عزّت مآب ہستی (مہاتما بدّھ) یہاں پیدا ہوئی تھی"۔ یہ ستون آج بھی وہاں موجود ہے۔

اشوک نے چالیس برس تک حکومت کی۔ اپنی حکومت کے آخری دنوں میں وہ بھکشو ہوگیا تھا۔ اس کی لڑکی چارومتی نے نیپال میں ایک شہر تعمیر کرایا اور وہاں ایک مٹھ بھی بنوایا۔ وہ خود بھکشنی بن کر اسی مٹھ میں رہنے لگی۔ اس شہر کا نام آج تک اُسی کے نام پر چلا آتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے عہد حکومت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے بڑے آرام و چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ انھیں سب ضروریات زندگی حاصل تھیں۔ اشوک نے مختلف ممالک مصر، ایران چین، لنکا، برما، سیام وغیرہ کے راجاؤں کو دوستی کے پیغامات روانہ کئے۔

اشوک کا بیٹا اور بیٹی، مہندر اور سنگھ مترا لنکا چلے گئے اور وہیں رہ کر انہوں نے بودھ مذہب کی اشاعت کی سنگھ مترا اپنے ساتھ ایک سنہری صندوق میں بودھ گیا کے پیپل کے درخت کی ٹہنی لے گئی اور اسے وہیں بو دیا۔ یہ درخت لنکا میں آج بھی کھڑا ہے۔ یہ درخت دنیا میں قدیم ترین درخت ہے

اشوک کے بعد

اشوک کے مرنے کے کوئی پچاس سال بعد موریہ سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہوگئی۔ ایک برہمن جس کا نام پشیہ مترا تھا، شمالی ہند کی سلطنت کا راجا ہوا۔

صوبے میں ایک ایسے خاندان کی حکومت قائم ہوئی جس کی زبان تیلگو تھی۔

پشیہ میتر نے از سرِ نو ہندو دھرم کا پرچار کیا لیکن بودھ دھرم پھر بھی کافی مضبوط رہا۔ وسط ایشیا میں بکٹریا کے راجا مینندر نے پشیہ میتر کی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ وہ شکست کھا کر واپس ہو گیا۔ لیکن واپسی میں اس نے کابل اور سندھ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

اب وسط ایشیا سے پھر بھوکے خانہ بدوش حملہ آور ہونے لگے۔ اُن میں سے تاریخ میں زیادہ تر باکتریا، سیتھیا، اور ترکی کے لوگ، ساکا اور کُشان فرقے، مشہور ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان میں آ کر ہندوستانی بن گئے۔ ان میں سے بہتیروں نے بودھ مذہب اختیار کر لیا۔

دراصل اس زمانے میں بودھ مذہب شمال میں ریگستان گوبی، چین اور تبت تک پھیلا ہوا تھا۔ کُشان خاندان کی وسیع و عریض سلطنت جو وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی، اس میں اکثر و بیشتر اسی مذہب (بودھ) کے لوگ تھے۔ کُشان خاندان کے راجا کنشک نے بودھ مذہب کی اشاعت کی۔ اس نے بودھ مذہب کے بھکشوؤں کی کئی بڑی سبھائیں کرائیں۔ تاکہ سب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں صلاح و مشورہ اور تبادلۂ خیالات کر سکیں۔

... شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔ مہایان ـــــ اور ہینایان۔ مہایان میں مورتی

پوجا روا رکھی گئی۔ یہ شاخ ہندو مذہب سے مشابہ تھی۔ ہینیان زیادہ سیدھا سادا اور پاک صاف تھا۔

مہاتما بدھ کی بہت سی مورتیاں بنائی گئیں اور ان کے بارے میں بہت سی کہانیاں لکھی گئیں۔ بودھ مذہب کے مٹھوں میں رہنے والوں نے مورتی بنانے اور تصویر کشی میں بڑی مہارت حاصل کی۔ اور مہاتما بدھ کی تعلیم ساری دنیا میں پھیل گئی۔

عظیم ہندوستان

ہندوستان کے مشرقی گوشے میں بنگال کی ایک ریاست کے راجا نے اپنے بیٹے وجے کو ریاست سے نکال دیا۔ وجے اپنے رفیقوں کے ہمراہ لنکا جا پہونچا۔ وہاں اس نے کوانا نامی ایک قدیم ذات کی شہزادی سے شادی کرلی۔ کوانا نے اسے لنکا فتح کرنے میں مدد پہنچائی۔ وجے کے خاندان والے اپنے آپ کو سنگھ (یعنی شیر) کی اولاد بتاتے تھے۔ اس لئے لنکا کے باشندے سنگھالی کہلائے جانے لگے۔ اس وقت بھی لنکا کے قدیم شہروں انورادھاپورا اور پولنارواکے لوگوں کی زندگی

کے لوگوں کی۔

اس وقت آندھرا کے راجا ہندو دھرم پھیلانے میں مصروف تھے۔ دکن کے لوگ جہاز سازی کا کام کرتے تھے اور انھیں خود چلاتے تھے۔ انہوں نے سمندروں کو پار کر کے مشرق بعید میں کمبوج سری وجے انکور، مدجاپہت، جیسے بڑے بڑے شہر آباد کیے۔

تقریباً دو ہزار سال تک بحر ہند اور بحر الکاہل کے درمیان کے ملکوں اور جزیروں میں ہندو دھرم اور بودھ مت، جو کبھی وہاں پہلے پہنچا، پھلتے اور پھولتے رہے۔ وہاں خوب صورت مندر تعمیر کئے گئے۔ پتھروں پر تصویر کشی کی گئی۔ اور ہندوستانی قسم کے ناچ اور ناٹک کی خوب ترقی ہوئی ــــ بعد میں ہندوستان کے باشندے تو یہ فن بھول گئے لیکن جاوا، بالی، سماترا، کمبوڈیا، سیام اور دوسرے ملکوں میں یہ فنون آج تک پائے جاتے ہیں۔

گپت خاندان

(۳۲۰ عیسوی سے ۶۵۰ عیسوی تک)

کشان اور آندھرا حکومتوں کے ختم ہونے کے بعد پاٹلی پتر میں چندر گپت نام کا ایک اور راجا ہوا۔ جس نے ایک بڑی سلطنت قائم کی۔ اس راجا کا نام چندر گپت موریہ سے ملتا جلتا ہے، اس لئے ہمیں امتیاز کرنے کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ پہلا چندر گپت، موریہ خاندان کا راجا تھا اور دوسرا چندر گپت گپت خاندان کا راجا تھا۔

چندر گپت اوّل کے بعد اس کا بیٹا سمدر گپت تخت نشین ہوا۔ اس نے پینتالیس سال تک حکومت کی۔ وہ نہ صرف یہ کہ بہادر سپاہی تھا بلکہ اچھا شاعر اور رقص و موسیقی کا دلدادہ بھی تھا۔ اس کے بعد گدی پر اس کا لڑکا بیٹھا جو چندر گپت دوم یا بکرما دتیہ کے نام سے مشہور رہا۔ ہم اسے وکرما دتیہ ہی کہیں گے کیونکہ اس مشہور نام کو یاد رکھنا زیادہ آسان ہے وکرما دتیہ نے اجین کو فتح کر کے اسے ہی اپنا دارالحکومت بنایا۔

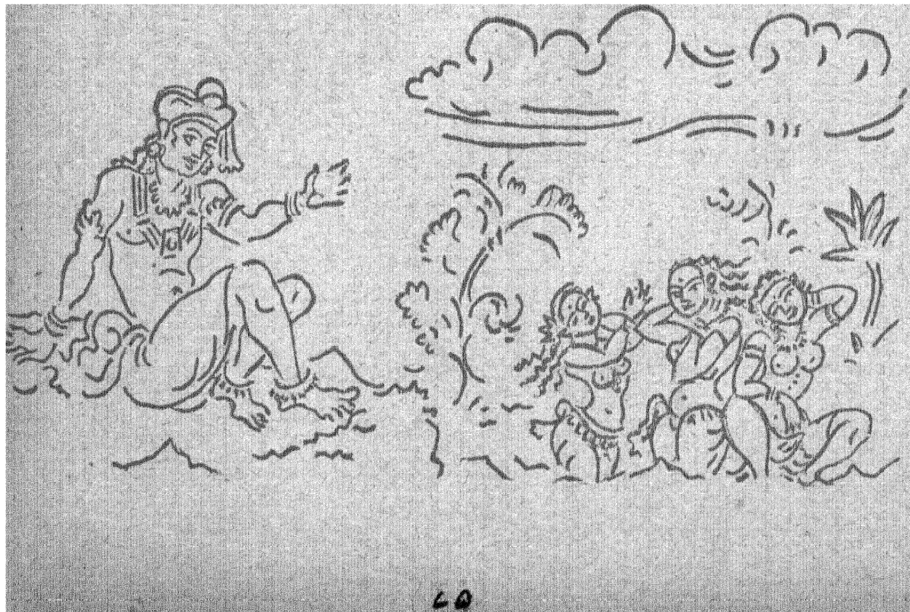
اس وقت اشوک کے انتقال کو کوئی ۶۰۰ سال گذر چکے تھے، اور چوتھی عیسوی صدی اختتام پر تھی۔

اس وقت بودھ مت کے مقدس مقامات کی زیارت کرنے کی غرض سے پہلا چینی زائر فاہیان ہندوستان آیا۔ اُس نے وکرما دتیہ اور اس کے عہد کے لوگوں کا بڑا مفصل حال لکھا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ لوگ معاشی طور پر آسودہ اور خوش حال تھے۔ مسافروں کے لئے بہت سی آرام گاہیں موجود تھیں۔ دارالسلطنت میں ایک عمدہ شفاخانہ تھا۔ شاید یہ دنیا میں پہلا ہسپتال تھا۔ جہاں مفت علاج کیا جاتا تھا۔ لیکن چنڈال یا گری ہوئی ذاتوں کے لوگ کوڑھیوں کی طرح شہر کے باہر رکھے جاتے تھے۔ جب وہ لوگ شہر میں داخل ہوتے تھے تو ایک بڑی لکڑی سے کھٹ کھٹ کرتے آتے تھے تاکہ شہریوں کو ان کے آنے کا علم ہو جائے۔

فاہیان لکھتا ہے کہ حکومت اچھی تھی۔ اور اس وقت بھی کچھ لوگ مہاتما بدھ کی تعلیمات پر عمل کرنے والے موجود تھے۔ لیکن چونکہ گپت خاندان کے راجا ہندو تھے، اس لئے بودھ دھرم کا زور کم ہوتا جا رہا تھا۔ شہر گیا خالی اور ویران ہو گیا تھا۔ بودھ مت کے تیرتھوں کے چاروں طرف جنگل اُگ آئے تھے۔ اور کپل وستو تو تقریباً اُجاڑ ہی ہو گیا تھا۔

وکرما دتیہ کا زمانہ خصوصاً اُس علم و ادب کے لئے مشہور ہے جو اُس زمانے میں پھلا پھولا۔ شو گھوشش اور دوسرے عالموں نے ہندی اور سنسکرت ادب کو عروج دے کر بلند مقام پر پہنچا دیا۔

رامائن اور مہابھارت کی کہانیوں کو پھر سے مرتب کیا گیا۔ اور ان پر نئے نئے ناٹک لکھے گئے
اگرچہ ہمیں یہ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ کالیداس کس زمانے میں ہوا تھا مگر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اسی زمانے میں ہوئے۔ کالیداس بہت سی علمی



ادبی کتابوں کا مصنف تھا۔ شکنتلا ناٹک اُس کا شاہ کار سمجھا جاتا ہے۔ شکنتلا کی کہانی اس طرح ہے
ایک دن راجا دُشینت شکار کھیلنے جنگل کو گیا۔ جنگل میں اُس نے ایک مہ جبین دوشیزہ —



شکنتلا دیکھی۔ جس سے اُسے محبّت ہو گئی۔ شکنتلا کو ایک رشی نے اپنی بیٹی بنا کر بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اس رشی نے اس لڑکی کا نام شکنتلا اس لئے رکھا تھا کہ جب وہ چھوٹی سی تھی تو شکُنت (پرندے) اس کے لئے دایہ کا کام کرتے تھے۔ شکنتلا پرندوں اور جنگل کے جانوروں کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ وہ ان کی بولی بھی بول سکتی تھی۔ دُشینیت نے شکنتلا سے شادی کرلی۔ لیکن بعد میں وہ ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ کیونکہ شکنتلا سے وہ جادوئی انگوٹھی گم ہو گئی جو دشینت نے اُسے دی تھی۔ شکنتلا جتنی خوبصورت تھی، اُتنی ہی بہادر بھی تھی۔ اُس نے ہزاروں مصائب جھیلے اور آخر کار اُس نے دشینیت کو پا لیا۔



کالی داس نے میگھ دوت نام کی ایک عمدہ نظم بھی لکھی تھی۔ اس نظم میں ایک ایسے عاشق کی کہانی ہے، جسے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ اور جو بہت دُور دکن میں اپنی محبوبہ سے بچھڑ کر چلا گیا تھا۔ بادل کو اٹھتا دیکھ کر وہ بڑے والہانہ انداز میں اُس بادل سے کہتا ہے کہ میرا سندیسہ میری محبوبہ کو پہنچا دے۔ بڑے خوبصورت الفاظ میں وہ بیان کرتا ہے کہ دکن سے شمالی ہند پہنچنے میں اُسے کن کن مقامات سے گذرنا ہوگا۔ اور کیسے

کیسے لوگ نظر آئیں گے۔



کالی داس کے زمانے سے پہلے کا ایک دلچسپ ناٹک "مرچھ کٹک" یعنی "کھیلنے کی گاڑی" ہے۔ جو شکنتلا سے بھی زیادہ پُر اثر ہے۔ اس میں ایک ظالم راجا کے خلاف رعایا کی بغاوت کی کہانی ہے۔

اسی زمانے میں وشاکھ دت نے ایک عمدہ ناٹک "مُدرا راکشس" لکھا۔ یہ ناٹک سب سے پہلے وکرما دتیہ کے دربار میں کھیلا گیا۔ یہ ناٹک آج کل کے ناٹکوں جیسا ہے۔ اس میں بیان کئے گئے حالات اور خیال موجودہ زمانے جیسے ہی ہیں۔ اس میں چندر گپت موریہ کے وزیر اعلیٰ چانکیہ کی چالاکیوں اور جعل سازیوں کا بیان ہے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ یہ وہی چانکیہ ہے جس نے "ارتھ شاستر" لکھا تھا۔

گپت خاندان کے عہد کی پتھر کی مورتیاں اور کھلونے بہت مشہور ہیں۔ یہ متھرا اور دوسرے مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ اجنتا کے غاروں میں جو مصوری اور سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں، شاید وہ بھی اسی زمانے میں مکمل کئے گئے۔

یہ دور ہندوستان کا سنہری دور تھا۔ ہمارے ملک کی طبّی تاریخ اور دنیا کی تاریخ کے شاندار

زمانوں میں سے ایک تھا۔

بودھ مت کا پرچار کرنے والوں نے سب لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا خیال سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یوں تو اس دور میں جنگیں بھی ہوئیں اور گپت خاندان کے راجاؤں نے چھوٹے چھوٹے ملکوں پر حملہ بھی کیا، تاہم آپس کا میل جول اور رواداری جو برسہا برس سے چلی آتی تھی، اس زمانے میں اعلیٰ درجہ پر پہونچ گئی تھی۔

مصوّر کانوں سے برآمد کی ہوئی مختلف رنگوں کی مٹّی سے مٹھ (خانقاہ) محل اور مکانوں کی دیواروں پر تصویر کشی کرتے تھے۔ ان تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے لوگ کتنے خوش حال تھے اور کتنے آرام وسکون سے زندگی گذارتے تھے۔

اس زمانے میں فن رقاصی نے بھی بہت ترقی کی۔ رقص کی ہر ہر حرکت کا ایک مخصوص مطلب ہوتا تھا۔ اور رقاص اپنے جسم کی حرکات وسکنات سے ہی ایک پوری کہانی کہہ سُناتا تھا۔ رقص کی یہ حرکتیں بڑی دلکش ہوتی تھیں۔ کبھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ پھول کھل گیا اور کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھول کمھلا گیا۔ کبھی رقاص کے جسم کی حرکتوں سے یوں معلوم ہوتا کہ جیسے کوئی پرندہ ہوا میں پھڑ پھڑاتا چلا

جارہا ہے۔ کبھی اس کا جسم یوں بل کھاتا جیسے سانپ بل کھاتا ہے۔
فنِ موسیقی نے بھی خوب ترقی کی۔ ہر ایک راگ کی ایک خاص لے اور گت ہوتی تھی۔
اس زمانے کے لوگوں کے خیالات اور کارنامے اُن کہانیوں اور ناٹکوں سے عیاں ہوتے ہیں، جن میں سے سیکڑوں اب تک چلے آتے ہیں۔ ان سے ہمیں ان لوگوں کا طرز معاشرت معلوم ہوجاتا ہے۔ لوگ چین و آرام سے تھے اور ان کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ملک اتنا دُکھی اور مظلوم کبھی نہیں رہا ہے جتنا کہ پچھلی دو یا تین صدیوں میں۔

ہون لوگ

وکرما دتیہ کے خاندان نے تقریباً تین سو سال تک حکومت کی۔ لیکن گپت خاندان کے راجاؤں پر اطراف و جوانب سے حملے ہوتے رہے۔ اور ہونوں کے پے در پے حملوں سے ان کی طاقت بتدریج کمزور ہوتی گئی۔
ہون لوگ خانہ بدوش تھے جو وسط ایشیا سے آئے تھے۔

ایک دفعہ ان لوگوں نے اپنے سپہ سالار اتیلا کی سرکردگی میں یوروپ پر بھی حملہ کیا۔ اور اُسے خوب تاخت وتاراج کیا۔ انھوں نے اسکندگپت کے عہد میں، جو گپت خاندان کا پانچواں حکمراں تھا، ہندوستان پر بھی حملہ کیا تھا لیکن اسکندگپت نے انھیں شکست دیدی تھی۔

کچھ عرصے بعد ان کے سپہ سالار تورومن نے ہندوستان پر حملہ کیا اور پنجاب و کشمیر پر قابض ہوگیا۔ وہ بڑا ظالم اور جابر تھا، لیکن اس کا لڑکا مہیر گل اس سے بھی زیادہ ظالم نکلا۔

ہندوستان کے لوگوں نے گپت خاندان کے ایک راج کمار، بالادتیہ کی سرداری میں ہونوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مہیر گل کو شکست ہوئی اور وہ قید کرلیا گیا۔ لیکن بالادتیہ نے اسے معاف کردیا اور ہون لوگ ہندوستان میں آباد ہوگئے۔ راجپوتانے کے بہت سے خاندان انھیں ہونوں کی نسل سے ہیں۔

بالادتیہ خود تو مذہباً ہندو تھا لیکن اس کا گرو بودھ مت کا پیرو تھا۔ بدقسمتی سے اسکی حکومت کمزور ہوگئی اور نتیجہ کے طور پر ہندوستان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہوگیا۔

ہرش

(۶۰۶ عیسوی سے ۶۴۷ عیسوی تک)

ہندوستان کی ان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں سے ایک سلطنت قنوج کی تھی۔ قنوج آج کل کانپور کے پاس ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ پہلے اس کا نام "کانیہ کبج" تھا، جس کا مطلب ہے۔ کبڑی لڑکیوں کا شہر۔ اس کی کہانی اس طرح ہے کہ شہر کے کسی آدمی نے ایک سادھو کو گالی دی۔ اس نے غصہ میں آکر شہر کے راجا کی سو بیٹیوں کو بددعا (شاپ) دی۔ جس سے سب لڑکیاں کبڑی ہوگئیں۔

ہونوں نے قنوج کے راجا کو مار ڈالا اور اس کی رانی راج شری کو قید کر لیا۔ اس سے متاثر ہوکر راج شری کے بھائی وردھن نے ہونوں پر حملہ کر دیا اور انھیں شکست دیدی۔ لیکن بعد میں ہونوں نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد ہرش وردھن، اس کا چھوٹا بھائی، اپنی بہن راج شری کی تلاش میں نکلا۔ راج شری ہونوں کی بدسلوکی سے تنگ آکر خودکشی کرنے ہی والی تھی کہ ہرش وردھن وہاں پہونچ گیا اور اس نے اُسے بچا لیا۔

ہرش نے شمال سے لے کر وندھیاچل تک کا علاقہ پوری طرح فتح کر لیا۔

ہرش نے کئی ناٹک اور نظمیں تصنیف کیں۔ اس وقت چین سے ایک بودھ سیاح ہوان سانگ ہندوستان آیا۔ اور کئی سال تک یہیں مقیم رہا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ ملک نہایت خوب صورت اور شاندار ہے۔ یہاں کے لوگ سچے اور ایمان دار ہیں۔ اپنے عہد کے پکے ہیں۔ قسم نہیں توڑتے۔ لوگوں سے بے گار نہیں لی جاتی۔ اور نہ ہی انھیں سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ انھیں شاستر (علم صرف ونحو، اعلیٰ فنون، دستکاری، طب اور فلسفہ) پڑھائے جاتے ہیں۔

ہوان سانگ نے پریاگ (الہ آباد) میں ایک بہت بڑے میلے، کمبھ کے میلے کا بھی تذکرہ کیا ہے یہ میلہ آج کل بھی پریاگ میں لگتا ہے۔ مشہور شاعر بھوبھوتی بھی اسی زمانے میں ہوا۔

دکن کی حکومتیں

(۶۵۰ سے ۱۳۰۰ء تک)

دکن میں کئی صدیوں تک کئی عظیم الشان نئی نئی سلطنتیں قائم ہوتی رہیں اور انہوں نے خوب عروج پایا۔

جس وقت شمالی ہند میں ہرش حکومت کرتا تھا، اس وقت دکن میں چالوکیہ نام کی ایک زبردست

حکومت تھی۔ اس حکومت کی بنیا دیلکیسن نے رکھی۔ جو اپنے آپ کو رام چندر جی کی اولاد بتاتا تھا۔ چالوکیہ خاندان بہت طاقتور ہو گیا تھا۔

اس کے بعد دکن میں پلاؤں نے حکومت کی۔ پلاؤں کا دارالحکومت کانچی پور تھا، جو آجکل کانجی ورم کہلاتا ہے۔ پلو خاندان کے راجا بڑے جری اور جوانمرد تھے۔ انھوں نے جہاز بنائے اور سمندر میں دور دراز کا سفر کیا۔ ان کی فوجیں ملیشیا (جسے آج کل ملایا کہتے ہیں) جاوا، بالی اور سیام تک جا پہنچی تھیں۔ جہاں کچھ ہندوستانی پہلے ہی سے آباد تھے۔

دکن میں ایک اور زبردست سلطنت پانڈیہ راجاؤں کی تھی۔ ان کے عہد میں شہر مدورا تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ اور تامل زبان کی شاعری نے بڑی ترقی کی۔

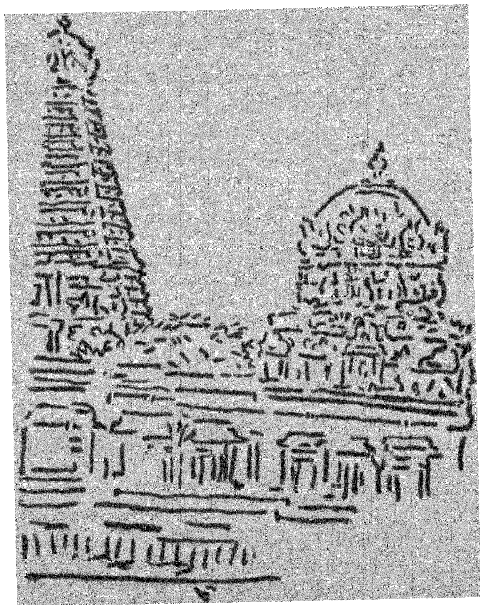
ان سب سلطنتوں میں سب سے زیادہ مشہور سلطنت چول راجاؤں کی تھی۔ اسی سلطنت کی حدیں خلیج بنگال سے لے کر بحر عرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ چول خاندان کے راجا بھی جہازوں میں سوار ہو کر سمندروں کا سفر کرتے تھے۔

چول راج بہت زمانے تک رہا۔ جب مسلمان شمالی ہند فتح کر رہے تھے تب بھی یہ راج اسی طرح قائم رہا۔ گپت سلطنت کے بعد ہندوستان کی دوسری بڑی سلطنت یہی تھی۔

چول خاندان کے راجاؤں نے بہت سے مندر تعمیر کروائے۔ ان مندروں کی وجہ سے مورتی سازی اور تصویر کشی کے ہنر کی بڑی ترقی ہوئی۔

دکن کے ان راجاؤں کے زمانے میں ہندو دھرم پھر ترقی کر رہا تھا۔ اور بودھ مت و جین مت رفتہ رفتہ ختم ہوتے جا رہے تھے۔ ہندوؤں نے بہت سے خوب صورت مندر بنوائے۔ ان میں کیلاش کا مندر جو ریاست حیدرآباد میں ایلورا کے مقام پر واقع ہے، سب سے زیادہ خوبصورت سمجھا جاتا ہے۔ یہ مندر ایک ہی چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے۔ اس میں شیو، کالی، کرشن اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی عمدہ مورتیاں ہیں۔ یہ مورتیاں کچھ ایسے فن کارانہ طریقے پر تراشی گئی ہیں کہ بالکل جیتی جاگتی معلوم ہوتی ہیں۔ مندر کے اندر جانے والے آدمی کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مندر سنسان نہیں ہے، بلکہ وہاں پہلے ہی سے بہت سے آدمی موجود ہیں۔

ضلع بیجاپور میں ایک اور مندر ہے، جسے "بادامی غار" کا مندر کہتے ہیں۔ اس میں بہت سی خوبصورت مورتیاں قطار اندر قطار رکھی ہوئی ہیں، جو زبان حال سے دیوتاؤں، خصوصاً شیوجی کی کہانی سناتی ہیں۔ ان میں ایک نرسنگھ، ایک جنگلی سؤر، اور ناچتے ہوئے بونوں کی مورتیاں بھی ہیں۔



علاوہ ازیں تنجور میں ایک اور عالیشان مندر ہے جسے چول خاندان کے راجا، راج راجا نے بنوایا تھا۔ اور کانچی ورم و مدورا کے حسین مندر بھی ہیں۔ جن میں لمبے لمبے برآمدوں میں انوکھی انوکھی مورتیاں ہیں۔

چول خاندان کے زمانے میں بنائے گئے مندروں کی کانسی کی چیزیں اور مورتیاں دنیا کی سب سے خوبصورت مورتیوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے پتھر کی خوبصورت مورتیوں اور حسین تصویروں کا ایک بیش قیمت خزانہ ملا ہے۔ جس پر ہمیں یقیناً فخر کرنا چاہئے۔ لیکن ان چیزوں پر فخر وہی شخص کر سکتا ہے جو ان چیزوں کی باریکیوں سے واقف ہو۔ اس لئے

ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ قدیم ہندوستان کی ان شاندار اور نادر چیزوں کو دیکھے اور سمجھے۔

ہمارے بزرگوں نے ہمارے لئے بڑی عمدہ اور پُر مغز کتابیں بھی چھوڑی ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابیں شری شنکر آچاریہ کی تصنیف ہیں جو ملابار کے کیرالا علاقے میں پیدا ہوئے تھے۔



شنکر آچاریہ اس ملک کے بہت بڑے اور بلند پایہ فلسفیوں میں سے تھے۔ وہ پینتیس (۳۵) سال کی ہی عمر میں دنیا سے چل بسے۔ لیکن اس قلیل مدّت میں ہی انہوں نے اس زمانے کے سب شاستر اور علوم و فنون سیکھ لئے تھے۔ وہ بڑی دور دور گھومے اور بہت سے عالموں اور پنڈتوں سے بحث و مباحثے کئے۔ انہوں نے بڑی عمدہ عمدہ کتابیں لکھیں جنھیں آج تک بہت سے پنڈت سند کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علم اور سچی خدمت سے ہندو دھرم کو بہت بلند مقام پر پہنچا دیا اور بودھ مت کا زور توڑ دیا۔ انھوں نے بودھ مت پر اتنی کاری ضربیں

لگائیں کہ آخر کار بودھ مت ہندوستان سے بالکل اُٹھ گیا۔ شنکر آچاریہ نے لوگوں کو شیو کی پوجا کی تعلیم دی۔

دکنی ہندوستان میں نٹ راج (رقص کرتی ہوئی شیو کی مورتی) کو ہندو دھرم کا سب سے بلند نشان سمجھا جاتا ہے۔

پس دکن کی یہ سلطنتیں تقریباً ایک ہزار سال تک بڑے طمطراق سے فروغ پاتی رہیں۔

حضرت محمدؐ

(۵۷۰ء سے ۶۳۲ء تک)

جب ہندوستان میں گپت سلطنت مائل بہ عروج تھی تو یوروپ میں قدیم رومی اور یونانی تہذیبیں ختم ہو چکی تھیں اور بحرِ روم کے نواحی ملکوں میں چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں۔ ریگ زارِ عرب میں، جو بحرِ روم اور ایران کے درمیان واقع ہے، زمانہ سلف سے ہی خانہ بدوش اقوام آباد تھیں۔ یہ اقوام بڑی خود دار اور جفاکش تھیں۔ جہاں کہیں انھیں زرخیز زمین ملتی، وہاں

کاشت شروع کر دیتیں یا تجارت کر کے زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہ قومیں پتھر کی مورتی کی عبادت کرتی تھیں۔ بالآخر اس تاریک و تار ملک میں روشنی کی کرن چمکی۔ مکہ میں حضرت محمد پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی محمد صاحب سیدھے سادے اور نیک اطوار تھے۔ ہر شخص کا اعتماد انھیں حاصل تھا۔ لیکن بڑے ہو کر جب انہوں نے عرب کے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ مورتی پوجا سے باز آئیں اور آپس میں بھائی چارہ اور صلح و آشتی سے زندگی بسر کریں تو جاہل لوگوں نے انھیں شہر بدر کر دیا۔ وہ وہاں سے یثرب چلے گئے۔ اور مسلمانوں کے کہنے کے مطابق وہ ہجرت کر گئے۔ یہ واقعہ ۶۲۲ء میں ظہور پذیر ہوا۔ اور اسی دن سے مسلمانوں کی جنتری کا آغاز ہوتا ہے۔ یثرب کے لوگوں نے محمد صاحب کو اپنا پیغمبر تسلیم کر لیا اور ان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ یثرب کا نام تبدیل کر کے مدینہ رکھ دیا گیا۔ مدینہ کا پورا نام "مدینۃ النبی" یعنی "پیغمبر کا شہر" ہے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت محمد نے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دی۔ انہوں نے عرب کے لوگوں کو حقیقی بھائیوں کی طرح میل جول سے رہنا اور دوسروں سے محبت کرنا سکھایا۔ ہجرت کے سال سے لیکر سات سال کے اندر اندر اسلام کی تعلیم سارے عرب میں پھیل گئی۔ حضرت پھر مکہ واپس آئے۔ لوگوں نے انھیں اپنا بادشاہ اور رسول تسلیم کر کے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ محمد صاحب نے

جو تعلیم لوگوں کو دی اسے جمع کر کے ایک کتابی شکل دی گئی۔ اس کتاب کو قرآن کہتے ہیں۔ ان کی رحلت کے بعد قرآن مسلمانوں کی مقدس کتاب ہوگئی۔ محمد صاحب کے بعد ان کے جانشین ان کے ایک رشتہ دار ابوبکر قرار پائے۔ اور ان کے بعد اور دوسرے لوگ۔ یہ لوگ خلیفہ کہلائے۔ ان کا انتخاب عوام کی رائے سے ہوا۔

حقیقی بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنے، سادہ زندگی بسر کرنے اور صرف ایک خدا کے اوپر یقین کرنے کی جو تعلیم حضرت محمد نے دی، اس سے عرب قوم میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ لوگ مضبوط اور طاقتور تو پہلے ہی سے تھے، اب انھوں نے سیریا، ترکی اور ایران فتح کرلیا۔ اور وہاں کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو ملا کر ایک سلطنت قائم کی۔ اور چین سے لیکر اسپین تک اسلامی حکومت بن گئی۔

لیکن جب مسلمان بادشاہوں نے نئے نئے ملکوں کو فتح کیا، تو وہ برادرانہ زندگی گذارنے اور خدا کی وحدانیت سے غافل ہوگئے۔ وہ عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ شان و شوکت سے زندگی گذارنے لگے۔ اور خود مختار ہو گئے۔ خلیفہ ہارون رشید (جس کے متعلق ہزاروں کہانیاں مشہور ہیں) کے مرتے ہی اس کے سرداروں نے اپنی علیحدہ علیحدہ سلطنتیں بنانی شروع کردیں۔

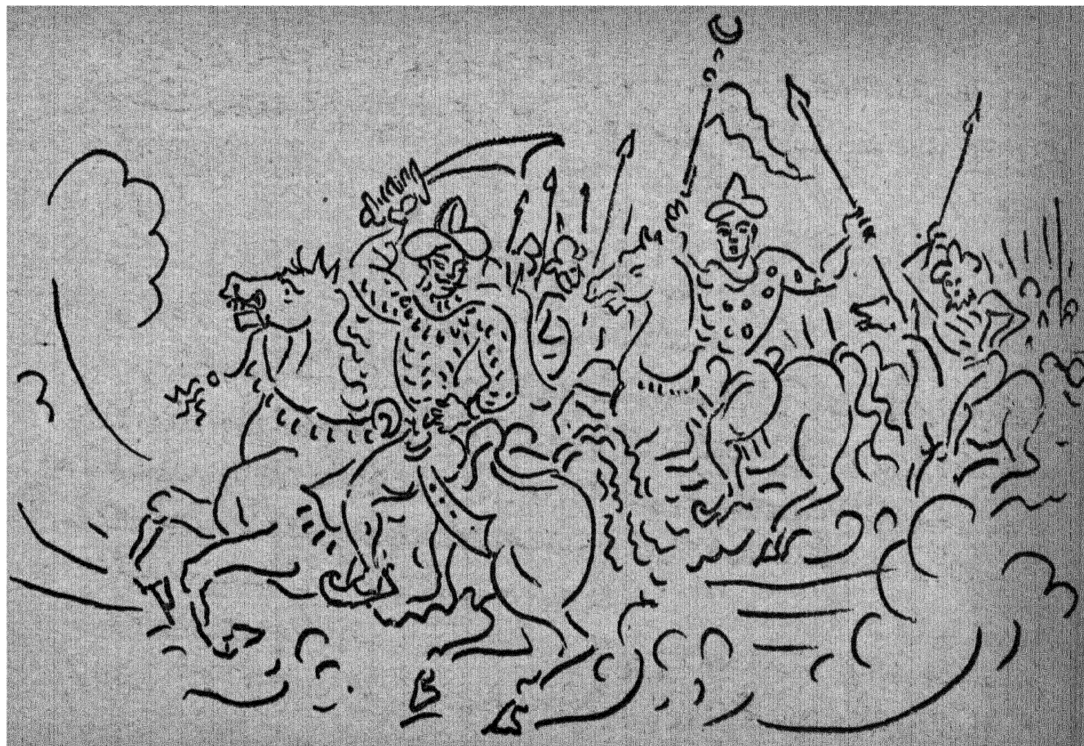
ان میں ایک ترکی غلام بھی تھا، جس کا نام سبکتگین تھا۔ اس نے تقریباً ۹۷۵ء میں غزنی اور قندھار کے گرد و نواح میں اپنی خود مختار سلطنت قائم کر لی۔ سبکتگین نے ایک دوبار ہندوستان پر بھی حملہ کیا۔

محمود غزنوی

(۹۹۸ء سے ۱۰۳۰ء تک)

اس وقت ہندوستان کے پڑوسی ممالک نئے نئے مقبوضات فتح کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن شمالی اور جنوبی ہندوستان کی سلطنتوں کے دربار عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان میں آپس میں لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اشوک اور گپت خاندان کے راجاؤں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے پورے ہندوستان میں ایک سلطنت قائم کر دی تھی لیکن اب اس سلطنت کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو رہے تھے۔

ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان کے راجاؤں میں آپس میں پھوٹ اور نفاق تھا اور ہندوستان کی طاقت ٹوٹ رہی تھی، تو باہر کے لوگ ہندوستان کی دولت و حشمت لوٹنے کی فکر کر رہے تھے۔



محمود غزنوی جو اپنے باپ سبکتگین کے بعد تخت نشین ہوا، پہلا مشہور بادشاہ تھا جو ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ ایک قابل جرنیل اور عمدہ شہسوار تھا۔

محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ اس کی فوجوں نے شمالی ہند کے خوبصورت شہروں اور مندروں کو خوب تاخت و تاراج کیا اور لوٹا۔ ان مندروں میں سومناتھ کا مندر بھی تھا۔ محمود نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ وہ اچھی طرح اس راز سے واقف تھا کہ اپنی فوج کے دل میں دوسرے مذہب کی طرف سے نفرت کا بیج بوکر ہی وہ اُسے دور دراز ملکوں میں لے جا سکتا ہے۔ اس لئے اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ صرف مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہندوستان پر حملے کرتا ہے۔ در اصل اس کا مقصد صرف ہندوستان کی دولت لوٹنا اور اپنی طاقت بڑھانا تھا۔

محمود نے اپنی سلطنت کو اپنے دارالحکومت غزنی سے لے کر پنجاب تک وسیع کر لیا۔ اس کے مرنے کے بعد تقریباً ایک صدی یا اس سے زیادہ عرصہ تک اس کے خاندان کے لوگ حکومت کرتے رہے۔

پٹھان خاندان

(۱۲۰۰ء سے لے کر ۱۵۲۶ء تک)

ہندوستان پر آئے دن مختلف اقوام حملے کیا کرتی تھیں، لیکن راجپوت راجاؤں نے پھر بھی آپس میں اتحاد پیدا نہ کیا۔ جب کبھی کوئی بادشاہ بیرونی ملک سے اُن پر حملہ آور ہوتا تھا تو وہ تن تنہا اس کا مقابلہ کرتے تھے۔ یوں تو وہ بڑی بہادری اور دلیری سے لڑتے تھے لیکن غنیم کی افواج کی کثرت کی وجہ سے شکست انھیں کی ہوتی تھی۔

دہلی کے حکمراں پرتھوی راج چوہان نے حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس نے ایسی جوانمردی دکھائی کہ اس کے کارناموں پر کئی طویل نظمیں لکھی گئیں۔ لیکن وہ بھی اپنے ملک کی حفاظت کرنے کے لئے شمالی ہند کے دوسرے راجاؤں کو اپنے ساتھ نہ ملا سکا۔ اس پر اس نے ایک بڑی غلطی یہ بھی کی کہ اس نے قنوج کے راجا جے چند کی لڑکی کو اغوا کر لیا، جس سے قنوج کے راجا اور دوسرے راجا اس سے ناراض ہو گئے اور اس سے جلنے لگے۔

اس لئے جب شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ بڑی آسانی سے

ملک کے اندر دور تک چلا آیا اور جو بھی اس کے سامنے آیا اُسے اس نے بڑی آسانی سے شکست دیدی۔ محمد غوری اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، جس نے غزنی خاندان کے زوال کے بعد غزنی کی حکومت حاصل کی تھی۔ غوری کے حملے نے ہندوستان میں پٹھانوں کی فتح کے دوسرے دور کا آغاز کیا۔

غوری نے ہندوستان پر محمود غزنوی کی طرح صرف لوٹ مار کے مقصد کو ہی مدنظر رکھتے ہوئے حملہ نہ کیا تھا بلکہ وہ حقیقتاً اسلام کی اشاعت چاہتا تھا۔ اس کی فتح کے بعد سارے شمالی ہند، بنگال اور دکن تک پٹھانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ دہلی دارالسلطنت قرار پایا اور یہاں سے بادشاہ اپنے صوبے داروں کے ذریعہ ملک کے مختلف صوبوں پر حکومت کرنے لگے۔

غوری کی موت کے بعد قطب الدین ایبک جو کسی وقت غوری کا غلام رہ چکا تھا، تخت کا وارث مان لیا گیا۔ اور اس طرح غلام خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا۔

قطب الدین نے دہلی میں ایک بلند مینار تعمیر کرایا۔ یہ مینار جسے قطب مینار کہتے ہیں، التمش کے زمانے میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ التمش قطب الدین کا ایک درباری تھا جو اس کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔

اس کے بعد التمش کے بیٹے کا وزیر بلبن بادشاہ بن گیا۔ وہ ایک عقل مند اور دور اندیش حکمران تھا۔ اس نے اپنے مسلمان سرداروں اور ہندو راجاؤں میں میل ملاپ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کسانوں کے ساتھ بڑی نرمی کا برتاؤ کیا۔

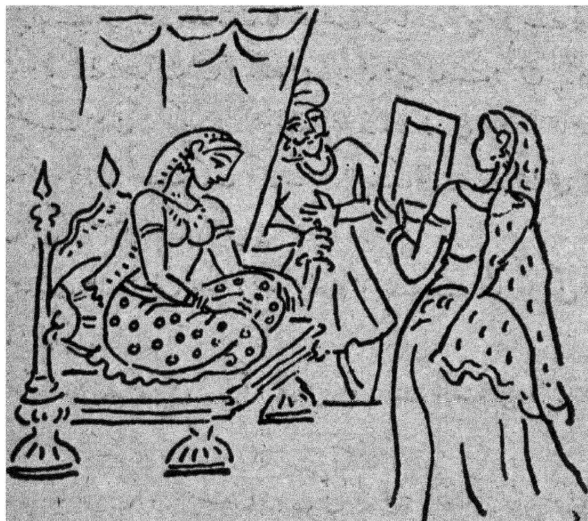
لیکن اس وقت وسط ایشیا کے مغل ہندوستان پر حملے کرنے لگے تھے۔ باہر کے لوگ تو ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کب اس ملک میں پھوٹ پیدا ہو اور کب وہ حملہ کریں۔ بلبن کا بیٹا شہزادہ محمد مغلوں سے لڑتے لڑتے مارا گیا۔ بلبن کو بیٹے کی موت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ برداشت نہ کرسکا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی مر گیا۔

بلبن کی موت کے بعد متعدد کمزور بادشاہ ہوئے۔ آخرکار جلال الدین خلجی نے تخت سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اور خلجی خاندان کا دور شروع ہوا۔ جلال الدین ضعیف اور نرم طبیعت کا انسان تھا۔ جلال الدین بغاوت کرنے والوں کو معاف کر دیتا تھا۔

علاء الدین خلجی جو اس کا بھتیجا اور داماد تھا، بڑا جری اور عالی حوصلہ آدمی تھا۔ اس نے بوڑھے جلال الدین کو قتل کردیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

علاء الدین بڑا ظالم اور سنگدل تھا لیکن سیاست کے میدان میں بہت چالاک تھا۔ جس نے بھی

اس کے خلاف بغاوت کا سر اٹھایا، خواہ وہ مسلمان تھا یا ہندو، اس نے نہایت بے دردی سے کچل دیا۔



اس نے چتوڑ پر حملہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس مشہور واقعہ کی داستا
اس طرح ہے:

کہتے ہیں کہ ایک دن علاءالدین نے سنا کہ چتوڑ کی رانی پدمنی نہایت حسی
اور خوبصورت ہے۔ وہ چتوڑ گیا او
راجپوتوں سے کہا کہ میں تو صرف رانی
ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ راجپوت
رانی کو دکھانے کے لئے آمادہ ہوگئے
وہ علاءالدین کو ایک کمرے میں لے گئے
لیکن وہاں رانی پدمنی نہ تھی۔ علاءالد
کو اشارہ کیا گیا کہ وہ ایک شیشے کی

طرف دیکھے، جس میں رانی پدمنی کا عکس تھا۔ علاءالدین راجپوتوں کی دانائی کے آگے مات کھا گیا اور تمام حاضرین ہنس پڑے۔ اس پر علاءالدین بہت برہم ہوا۔ وہ فوراً وہاں سے باہر نکل آیا۔ اور بعد میں ایک لشکر جرار لے کر چتوڑ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ راجپوتوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن جب ان کی رسد ختم ہو چلی تو وہ کھلے میدان میں آ گئے اور بڑی دلیری سے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن ان کی تعداد کم تھی اس لئے انھیں شکست ہوئی۔ ایک راجپوت بھی زندہ نہ بچ سکا۔ علاءالدین اب قلعہ میں گیا اور پدمنی کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن اُسے ایک راکھ کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ملا۔ پدمنی اور چتوڑ کی دوسری عورتیں چتا میں جل کر ستی ہو گئی تھیں۔

بعد میں علاءالدین نے ایک ہندو عورت سے شادی کی اور اس کے بیٹے نے بھی اسی طرح ایک ہندو عورت سے شادی کی۔

علاءالدین نے اپنی زندگی ہی میں پورے ملک میں ایک سلطنت قائم کر دی تھی۔ ہر طرف امن و امان ہو گیا تھا۔

وہ شاعروں اور دستکاروں کی بڑی عزت کرتا تھا اور انھیں انعام و اکرام سے خوب نوازتا تھا پٹھان، غلام اور خلجی خاندان کے بادشاہوں کے عہد حکومت میں بیرونی ممالک سے آئے ہوئے

مسلمان ہندوستان کو اپنا ملک سمجھ کر یہیں آباد ہو گئے۔ کچھ ہندو جو اکثر و بیشتر نیچی ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے، مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مذہب اسلام میں یہ خوبی دیکھی کہ مسلمانوں میں ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مسلمانوں نے بھی ہندو سوسائٹی کی بہت سی رسمیں اور مذہبی خیالات اپنا لئے۔

علاءالدین کی موت کے بعد شمالی ہند میں بڑا انتشار پھیلا۔ اور ملتان کا گورنر غیاث الدین تغلق تخت دہلی پر بیٹھ گیا۔ جب وہ بادشاہ بنا تو کافی بوڑھا ہو چکا تھا لیکن پھر بھی حکومت میں وہ اصلاحات جاری رکھیں جو علاءالدین نے شروع کی تھیں۔ اس نے نہریں کھدوائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ رقبۂ زمین زیر کاشت آسکے۔ اس نے کسانوں پر لگان کم کر دیا۔ اس نے ڈاک کا بھی عمدہ انتظام کیا جس میں گھوڑ سوار ہرکارے ڈاک ایک چوکی سے دوسری چوکی تک لے جاتے تھے۔

اس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا محمد تغلق تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا متبحر عالم تھا۔ بہت سے علوم و فنون کا ماہر تھا۔ اس وقت ہر طرف بدامنی کا دور دورہ تھا۔ ملک کے شمالی مغربی علاقوں پر منگول لوگ حملے کر رہے تھے، اس لئے محمد تغلق نے دارالسلطنت بجائے دہلی کے دکن کے ایک شہر دیوگری کو قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی اجاڑ ہو گئی۔ محمد تغلق کے زمانے میں مور قوم کا ایک سیاح ابن بطوطہ اسپین سے ہندوستان آیا۔ اس نے دہلی کے بارے میں لکھا تھا:-

"سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا ہے۔ شہر اس بری طرح اُجڑا ہے کہ ایک کُتا یا بلی تک دیکھنے کو نہیں ملتی۔" دوسرے بادشاہوں کے مانند محمد تغلق بھی تمام روئے زمین کو فتح کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔

تقریباً اسی زمانے میں امیر خسرو جیسا عظیم شاعر پیدا ہوا، جس نے ہندی اور اردو شاعری کی بنیاد ڈالی۔

اس زمانے میں ظالم اور مشہور منگول جرنیل چنگیز خاں پوری ایشیا پر چھا رہا تھا۔ وہ بھی پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اس ارادے کے ماتحت اس نے ہندوستان کا بھی رُخ کیا اور ہندوستان کے دروازے تک آپہونچا۔ لیکن ہندوستان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ جلد ہی مغرب کی جانب روانہ ہو گیا۔ اور اس طرح ہندوستان ایک بڑی آفت سے محفوظ رہا۔

لیکن ہندوستان کی حالت پھر بھی نہیں سدھری۔ فیروز تغلق نے جو محمد تغلق کے بعد گدّی پر بیٹھا امن و امان برقرار رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ کٹّر مسلمان تھا اور اس نے ہندوؤں پر مظالم توڑے دہلی کے بادشاہ کے صوبیدار اور سپہ سالار جو ملک میں دور دراز صوبوں پر حکومت کرتے تھے، مدّت سے دہلی کے بادشاہ کے خلاف سر اُٹھا رہے تھے۔ اس لئے ملک میں بڑی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ اس

گڑبڑ کی خبریں باہر بھی پہونچیں۔

جب تاتار قوم کے ظالم بادشاہ تیمور لنگ نے یہ خبریں سُنیں تو وہ ایک بڑی سپاہ لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ شمالی مغربی درّوں سے گذر کر آندھی کی طرح یہاں کے زرخیز میدانوں پر چھا گیا۔ یہاں بھی اس نے وہی کیا جو ایران، سمرقند اور بخارا میں کر آیا تھا۔ یعنی جو شہر یا گاؤں اُس کے سامنے آیا، اُسے تباہ و برباد کر کے زمین سے ہموار کر دیا۔ لوگوں کو بے دریغ قتل کیا، ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔

تیمور لنگ آیا، لوٹا کھسوٹا اور چلا گیا۔ ہندوستان کے لوگ پھر اُسی طرح رہنے لگے جیسے رہتے تھے۔ کسان لوگ جو اِدھر اُدھر بھاگ نکلے تھے پھر اپنے اپنے کھیتوں پر آگئے۔ اس کے بعد تقریباً سَو سال تک دہلی کے تخت پر سید اور لودھی خاندان کے حکمران راج کرتے رہے۔ اس دوران میں راجپوتوں نے اپنی طاقت پھر اتنی بڑھالی کہ دہلی کی سلطنت کا چراغ گُل ہوتے ہوتے رہ گیا۔

اس وقت ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی بہت سی چھوٹی موٹی سلطنتیں بن گئی تھیں۔ سب سے مضبوط اور طاقتور سلطنت وجے نگر کی تھی۔

جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ حکومت کی تبدیلی سے گاؤں والوں کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں

آتی تھی ۔ وہ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہتے تھے ۔ گاؤں میں پنچایت ہی کا راج رہتا تھا۔ کسان کھیتی باڑی کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ ہنسی خوشی دن گذارتے تھے۔ اسلام پر ہندو دھرم کی پوجا کے طور طریقوں کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ جس سے بہت سے سادھو سنت فقیر اور اولیاء پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے لوگوں کو نیکی کا راستہ دکھایا۔

ہندو دھرم کے تین بڑے فرقے

اس زمانے میں ہندو دھرم تین بڑے متوں یعنی فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔
پہلے فرقے کے لوگ وشنو کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ اس فرقے کے لوگ ویشنو (بیسنی) کہلاتے تھے۔ ویشنو کوئی نیا دھرم نہ تھا۔ ویدوں میں سورج کو بھی وشنو کہا گیا ہے۔ اور کبھی کبھی تو رام اور کرشن کے لئے بھی لفظ وشنو ہی آیا ہے۔ ویشنو مت کے مطابق انسان وشنو کی پرستش کرکے ایشور تک پہونچ سکتا ہے۔ ویشنومت زیادہ تر شمالی ہندوستان میں پھیلا۔

دوسرے مَت والے شیو کو سب سے اعلیٰ دیوتا مانتے تھے۔ اس فرقے کے لوگ شیو کی پوجا اُتنی ہی تقدیس اور احترام سے کرتے تھے جتنی ویشنو مت والے وشنو کی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ گرو شنکر آچاریہ نے اس مت کو جنوبی ہندوستان میں پھیلانے میں بڑی کوشش کی تھی۔ دکن میں آج کل بھی یہی مت پھیلا ہوا ہے۔

تیسرے مت والے شکتی یا کالی کو ایشور کا اوتار مانتے تھے۔ وشنو اور شیو کے بھکتوں کی طرح اس مت کے لوگ کالی کی بھکتی کرتے ہیں۔ بنگالی سنتوں نے اس مَت کو سارے مشرقی ہندوستان میں پھیلا دیا تھا۔

رامانج، رامانند، تلسی داس، ولبھ، میرا بائی، تکارام اور چیتنیہ جیسے سادھو سنتوں نے وشنو مت کا پرچار کیا۔ انہوں نے وشنو، یا رام اور کرشن کی بھکتی کے بھجن گائے۔ اور لوگوں کو بتایا کہ وہ بھگوان کی پوجا اپنے دل میں کریں اور اس کے لئے انہوں نے بھکتی کا راستہ بتایا۔ ان میں سے کچھ سنتوں نے ذات پات کے فرق کی بھی بہت برائی کی۔ اس سلسلے میں کبیر کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کبیر مسلمان تھا لیکن وہ رامانند کو اپنا گرو مانتا تھا۔ وہ جولاہا تھا۔ دن بھر کپڑا بنتا رہتا اور بھجن گاتا اور لوگوں کو اُپدیش دیتا رہتا تھا۔ اس کی موت پر ہندو اس کے جسم کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان اُسے دفن کرنا چاہتے

تھے۔ کہتے ہیں کہ جب اس کی لاش پر سے چادر ہٹائی گئی تو وہاں پھولوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ آدھے پھول ہندوؤں نے لیے اور آدھے مسلمانوں نے۔ اور اس طرح جھگڑا مٹ گیا۔

اس کے بعد ہمارے ملک میں جتنی نظمیں لکھی گئیں، وہ کسی نہ کسی حد تک ان تینوں سنتوں میں سے کسی ایک سے متاثر ہیں۔ اور آج کل بھی ہر گاؤں اور قصبے میں کچھ لوگ وشنو کی پوجا کرتے ہیں، کچھ شیو کی اور کچھ کالی کی۔

ان کے علاوہ ایک سنت اور بھی ہوئے ہیں جنھیں گرو نانک کہتے ہیں۔ انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کرنا چاہا۔ وہ مندروں میں بھی جاتے تھے اور مسجدوں میں بھی۔ بہت سے کسانوں نے ان کی تعلیم کی طرف توجہ کی، کیونکہ وہ لوگ برہمنوں اور مسلمان جاگیرداروں کے ستائے ہوئے تھے۔ گرو نانک کی کوشش سے ہندو اور مسلمان تو ایک نہ ہوئے لیکن ہندوستان میں ایک نیا مذہب —— سکھ مذہب ضرور پیدا ہو گیا۔ اس مذہب میں محمد صاحب اور ہندوؤں کے بھگتی فرقے کی تعلیم کی آمیزش ہے۔ اس مذہب نے خاموشی سے ایشور کی پوجا کی تعلیم دی۔

بابر

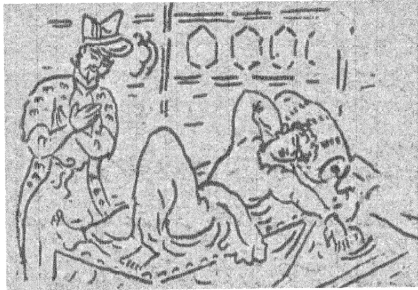
(۱۵۲۶ء سے ۱۵۳۰ء تک)

اب ہندوستان پر شمال کی طرف سے ایک نیا حملہ ہوا۔ بابر نے جس کا سلسلۂ خاندان تیمور لنگ تک پہنچتا تھا، اب سے تقریباً ۴۲۵ سال پہلے تخت دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بابر منگول نسل سے تعلق رکھتا تھا اسلئے ہندوستان کے لوگ منگولوں کو مغل کہنے لگے۔

دہلی پر قابض ہونے کے دو سال بعد ہی بابر نے راجپوتوں کی طاقت کو کچل ڈالا۔ اور اس طرح مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔

بابر شاہی خاندان کا فرد تھا۔ وہ بڑا بہادر، جری اور نڈر تھا۔ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر اُس نے صرف ۴۸ گھنٹے میں ۱۵۰ میل کی مسافت طے کی اور دو جگہ دریائے گنگا کو تیر کر پار کیا۔

بابر بڑا حُسن پرست تھا۔ اس نے باغات لگوائے۔ اور خوب صورت نظمیں لکھیں۔ اس نے اپنی سوانح عمری "بابر نامہ" بھی لکھی، جس میں بہت سی دلچسپ اور عمدہ باتیں ہیں۔ جن ملکوں کو اس نے فتح کیا وہاں



کے پھولوں پھلوں کا بڑے دلچسپ اور دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ پھولوں سے اسے اس قدر رغبت تھی کہ اس کی کوئی بات پھولوں کے ذکر سے خالی نہ ہوتی تھی۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے :-

"میرا دل ایک گلاب کی کلی ہے، سُرخ گلاب کی کلی!

"جس میں سُرخ پتیاں نہ در تہ ہیں،

جن کا رنگ شعلوں جیسا ہے ....."

کہا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے چہیتے بیٹے ہمایوں کے لئے اپنی جان نثار کر دی۔ ہمایوں ایک مرتبہ سخت بخار میں مبتلا تھا۔ بابر نے اس کی چارپائی کے گرد گھوم کر دعا مانگی کہ ہمایوں صحت یاب ہو جائے، اور اس کے بدلے موت مجھے آجائے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ کچھ ہی دنوں بعد ہمایوں تندرست ہوگیا اور بابر کو ایسا بخار چڑھا کہ وہ دُنیا سے چل بسا۔

بابر کی موت کے دس سال بعد ہمایوں کو راج گدی سے دست بردار ہونا پڑا۔ ایک پٹھان سردار،

شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دیدی اور ہمایوں کو ایران بھاگ جانا پڑا۔

سوری خاندان

(۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۵ء تک)

شیر خان نے گدّی پر بیٹھ کر شیر شاہ سوری کا لقب اختیار کر کے شمالی ہندوستان پر حکومت کی۔ وہ نہایت محنتی، جفاکش، بہادر اور مستقل مزاج بادشاہ تھا۔ اس نے کھیتوں کی پیمایش کا طریقہ رائج کیا تاکہ ہر کسان سے اس کی زمین کے مطابق لگان وصول کیا جائے۔ اس نے شمال سے دہلی آنے والی بڑی سڑک کی مرمت کرائی۔ اس نے بہت سی نہریں کھدوائیں۔ لیکن وہ سات سال ہی حکومت کرنے پایا تھا کہ دُنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کے دو بادشاہ اور ہوئے جن کے زمانے میں سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ہمایوں کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے شاہ ایران طہماسپ کی مدد سے ایک فوج جمع کی اور ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

اس نے دہلی کی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن ایک سال بعد ہی وہ دہلی کے پرانے قلعے کے

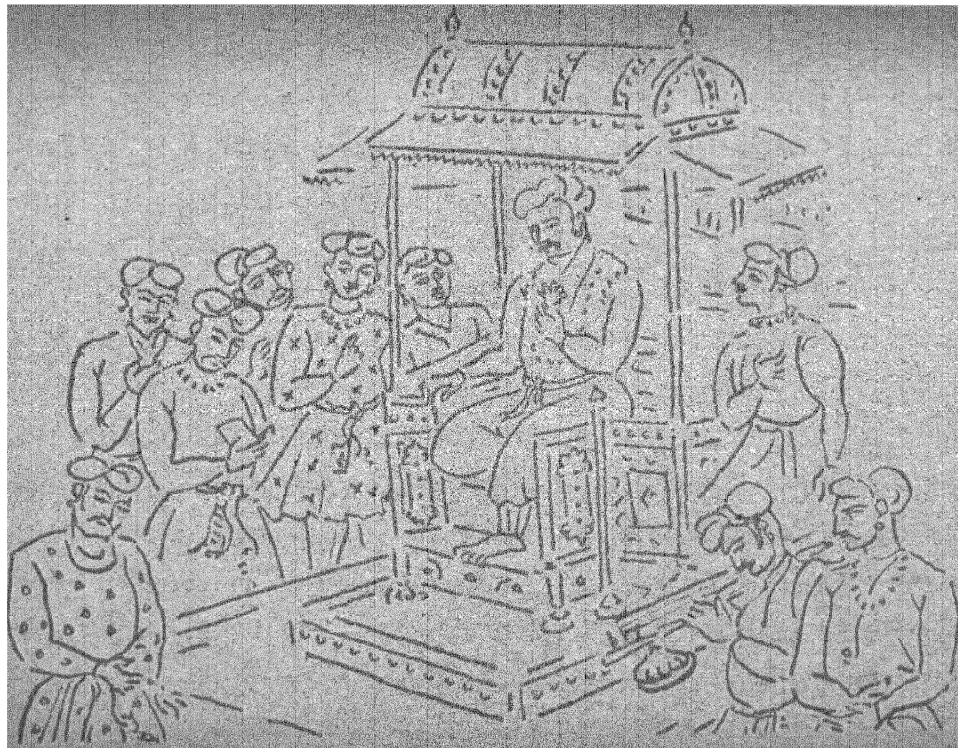
دارالمطالعہ سے گر کر مر گیا۔

اکبر

(۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تک)

ہمایوں کا بیٹا اکبر بہت ہی کم سنی میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن وہ بچپن ہی سے بڑا ہونہار تھا۔ اُس نے اپنی دوراندیشی اور دانش مندی سے اس راز کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس کی سلطنت تب تک مستحکم اور وسیع نہ ہو سکے گی جب تک وہ ملک کی ساری قوموں کو ایک نہ کر دے۔ ورنہ اس کا حال بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے دوسرے سلاطین کا ہوا۔ اس لئے اس نے بہت سے راجپوت راجاؤں سے دوستی قائم کی۔ ہندو اور مسلمانوں میں رواداری اور بھائی چارہ پیدا کیا۔ اور دونوں قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے اس نے ایک راجپوت راج کماری جودھا بائی سے شادی کی۔ اکبر کا بیٹا سلیم جو اس کے بعد شہنشاہ جہانگیر کہلایا، اِسی رانی کے بطن سے تھا۔

اکبر ہر قوم و ملت کے افراد کے ساتھ یکساں انصاف کرتا تھا۔ وہ رعایا کی فلاح و بہبودی کے لئے



راتوں کو بھیس بدل کر گھوما کرتا تھا ۔ جہاں کہیں دس پانچ لوگوں کا جمگھٹا دیکھتا، وہیں جا کھڑا ہوتا اور اس طرح وہ لوگوں کے دکھ درد سے واقف ہو جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے کچھ بددیانت افسر لوگوں سے لگان کے علاوہ کچھ اور روپیہ بھی اینٹھتے ہیں، اس لئے اُس نے اپنے وزیر راجہ ٹوڈرمل کو زمین کی پیمائش کرانے کا حکم دیا ۔ اس نے لگان کی رقوم مقرر کردیں اور سب ناجائز محصول بند کر دیا۔ اس طرح اُس نے رعایا کو بڑے افسروں کے ظلم اور زیادتی سے بچایا ۔ اس نے اپنی فوج سے ملک کو متحد کرنے کا کام لیا۔ اس کے عہد میں ہندوستان ایک مضبوط حکومت بن گیا جس میں لوگ آرام و چین سے تھے۔

اکبر نے اپنے دربار میں بہت سے علماء اور فضلاء جمع کئے۔ ان میں اس کے وہ نو وزیر بھی شامل ہیں جنھیں "نورتن" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ بڑے قابل اور عقل مند تھے۔

ان میں سے ایک تو موسیقی کا استاد تان سین تھا، ایک راجا بیربل، جو اپنے چٹکلوں، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے اکبر کو ہنساتا رہتا تھا۔ اور ملا دوپیازہ تھا جو بیربل کی طرح لطیفے گھڑا کرتا تھا۔

اکبر نے اپنے ایک وزیر ابوالفضل سے اپنے عہد کی تاریخ لکھوائی۔ جو "اکبر نامہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ابوالفضل نے رامائن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ فارسی میں رامائن کے ترجمے کا ایک نسخہ جے پور کے دارالمطالعہ میں بھی موجود ہے ۔ اس کتاب میں اُن مصوروں کے ہاتھ کی بہت سی نادر تصویریں ہیں، جنھیں

بادشاہ تصویر کشی کے لئے اپنے دربار میں رکھتا تھا۔
اکبر ایک خدا رسیدہ بزرگ سلیم چشتی کا بڑا معتقد تھا۔ اُن کی قُربت حاصل کرنے کے لئے اُس نے آگرے سے کچھ فاصلہ پر فتح پور سیکری کا عظیم الشان شہر بسایا اور اس میں خوبصورت عمارتیں تعمیر کرائیں۔
اُس نے اپنے دربار میں مشہور و معروف مصور اور دست کار بلوائے۔ اکبر اُستاد منصور اور دوسرے اعلیٰ پایہ کے ہندو مصوروں کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ ان مصوّروں نے فنِ تصویر سازی کو جو باہر کے ساتھ ایران سے ہندوستان آیا تھا، ہندوستانی رنگ میں رنگ دیا۔ اکبر کے زمانے کے مصوروں نے ایرانی طرزِ تصویر کشی، اور ایرانی رنگوں سے تصویریں بنا کر انہیں ہندوستانی جذبات اور خیالات کو سمو دیا۔
اکبر جس زمانے میں ہندوستان میں حکومت کر رہا تھا، ٹھیک اُسی زمانے میں ملکہ الزبتھ انگلستان میں فرماں روائی کر رہی تھی۔ الزبتھ نے جب اکبر کی سلطنت کی شان و شوکت اور جاہ و حشم کے متعلق سُنا تو اس نے اکبر کو ایک دوستانہ خط لکھا اور اس میں شہنشاہ سے سفارش کی کہ کچھ انگریز تاجروں کو، جو ہندوستان میں تجارت کے خواہشمند ہیں، ہندوستان میں تجارت کی اجازت دی جائے۔ اس کے علاوہ یورپ کے اور بھی بہت سے آدمی اکبر سے آکر ملے۔

ان لوگوں میں عیسائی پادری بھی تھے۔ وہ یہ سُن کر یورپ سے آئے تھے کہ اکبر کو صداقت کی تلاش ہے اور وہ صداقت پسند ہے۔ انہوں نے لکھا ہے :۔

" وہ رات کو بمشکل تین گھنٹے سوتا ہوگا۔ اس کی یادداشت غضب کی ہے۔ اس نے اپنے تمام ہاتھیوں، گھوڑوں، ہرنوں اور کبوتروں تک کے نام رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کیونکہ اُس کے پاس اس طرح کے ہزاروں جانور اور پرندے ہیں۔"

یہ پادری آئے اور اُنھوں نے اکبر کو عیسائی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ اُنھیں امید تھی کہ اکبر عیسائی مذہب اختیار کرے گا۔ اکبر نے بہت سے ہندو پنڈتوں اور مسلمان مولویوں سے کہا کہ وہ ان عیسائی پادریوں سے بحث کریں۔ اُس نے ان سب کی باتوں کو بڑے غور و فکر سے سُنا۔ اُس نے اُن سچائیوں پر بڑا دھیان دیا جو ہندو دھرم، اسلام اور عیسائی مذہب میں تھیں۔ آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ مذہبوں کے راستے جدا جدا ہیں لیکن آخر میں سب ایک ہی ایشور یا خدا تک پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں وہ چاہتا تھا کہ لوگ مذہب کے نام پر قتل و غارت گری نہ کریں۔ اس لئے اُس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا اور اس کا نام " دینِ الٰہی " رکھا۔ اس مذہب میں اس نے تمام مذاہب کی خوبیوں کو جمع کر دیا۔ لیکن مذہب پرست تو صرف اپنے ہی مذہب کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے " دینِ الٰہی " کو فروغ نہ پا سکا۔

اکبر اپنے بعد ایک بڑی وسیع و عریض سلطنت چھوڑ گیا۔ اس سلطنت کی حدود شمال میں کوہ ہندوکش سے لے کر جنوب میں دکن تک، اور مغرب میں سندھ سے لے کر مشرق میں بنگال تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس وسیع سلطنت میں حکومت ایک ہی مرکز سے کی جاتی تھی۔

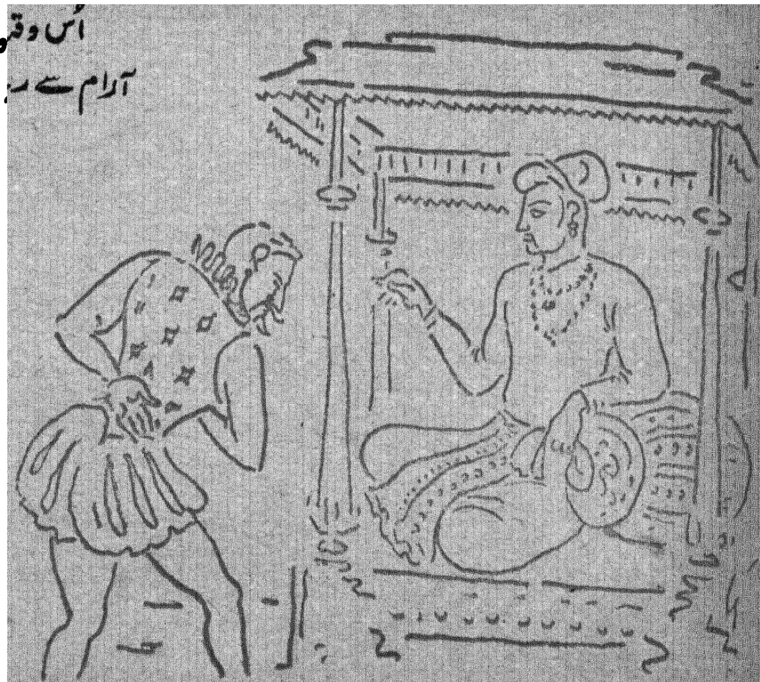
جہانگیر

(۱۶۰۵ء سے ۱۶۲۷ء تک)

اکبر نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے سلیم کو ایسی تعلیم و تربیت دلوائی جس سے وہ ایک نیک اور منصف مزاج بادشاہ بن سکے۔

سلیم جب شہنشاہ بنا تو جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔ اس نے سب کے ساتھ یکساں انصاف اور برتاؤ کیا۔ اس نے اپنے محل میں ایک گھنٹا لگوائی۔ اس گھنٹا میں ایک سونے کی زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ یہ زنجیر قلعے کے باہر تک جاتی تھی۔ جب کوئی فریادی فریاد لے آتا تو وہ اس زنجیر کو کھینچتا، زنجیر کے کھینچنے سے محل میں لگی ہوئی گھنٹی بجنے لگتی تھی۔ بادشاہ باہر نکل آتا، اور فریادی کی فریاد سنتا اور انصاف کیا کرتا تھا۔

اُس وقت لوگ بڑے امن و امان اور آرام سے رہتے تھے۔ اناج ملک میں با فراط پیدا ہوتا تھا۔ کچھ سال تک لوگ اسی طرح آرام وچین سے رہے۔



اُس زمانے میں یورپ میں ہندوستان کی خوشحالی اور مال و دولت کا شہرہ تھا۔ انگلستان کے بادشاہ جیمس اوّل نے ۱۶۱۵ء میں سر طامس رو کو اپنا سفیر خاص بنا کر جہانگیر کے دربار میں بھیجا۔ سر

طامس رو نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی آسانیاں فراہم کی جائیں۔

خیال کیا جاتا تھا کہ جہانگیر پرتگال کے عیسائی پادریوں سے بہت خوش ہے اور انھیں کی سنتا ہے، اسلئے انگریز پرتگالیوں سے حسد کرنے لگے۔ سر طامس رو کے لئے جہانگیر کے دربار تک رسائی آسان نہ تھی کیونکہ انگریز تاجر جہاں تجارت کرتے تھے وہاں ان کا سلوک ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اس لئے اس نے بادشاہ کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ولایتی ٹوپیوں اور کھلونوں کے کئی صندوق بطور تحفہ پیش کئے۔ شہنشاہ کے وزراء نے ان چیزوں کو بہت پسند کیا۔ ان کی بیگمات انگریزی ٹوپیاں اپنے سروں پہ رکھ کر ادھر اُدھر گھومنے لگیں۔ اور دیکھنے والے خوب ہنسے۔ آخر کار شہنشاہ نے سر طامس رو کو ایک دن دربار میں بلایا اور اس کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا۔

جہانگیر کے عدل و انصاف میں تو کوئی شبہ نہیں۔ لیکن وہ بہت اچھا منتظم نہ تھا۔ کام سوچ سمجھ کر نہ کرتا تھا۔ زیادہ وقت عیش و آرام میں گذار دیتا تھا۔ شکار کا بڑا شوقین تھا جس میں وہ بڑا وقت برباد کیا کرتا تھا۔

جب وہ عنفوان شباب میں تھا تو اُسے اپنے باپ کے محل میں ایک درباری کی لڑکی نظر آئی، جسے دیکھ کر وہ فریفتہ ہوگیا۔ وہ لڑکی باغ میں سیر کر رہی تھی۔ جب سلیم اس کے پاس سے گذرا تو اس نے اُس سے

کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارے دو کبوتر پکڑے رہو ــــ لڑکی کے ہاتھ سے ایک کبوتر اُڑ گیا۔ جب سلیم واپس آیا تو لڑکی سے پوچھا کہ کبوتر کیسے اُڑ گیا؟ لڑکی نے نہایت سادگی سے دوسرا کبوتر بھی اُڑا دیا اور کہا "ایسے اُڑ گیا" سلیم کو پہلے تو بڑا غصہ آیا لیکن جب اسکی نظر اس کی بھولی بھالی صورت پر پڑیں تو وہ اس پر عاشق ہوگیا۔ اور مسکرانے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس لڑکی کی شادی کر دی گئی اور وہ اپنے خاوند شیر افگن کے ساتھ بنگال چلی گئی۔ شیر افگن بنگال کا صوبیدار تھا۔ وہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے تن تنہا ایک شیر کا مقابلہ کیا اور اُسے مار ڈالا تھا۔

جب سلیم شہنشاہ ہوگیا تو اُس نے شیر افگن کو مروادیا اور اس کی بیوہ عورت کو اپنے محل میں بلوالیا۔ اُسنے اُسے نور جہاں کا خطاب دیا۔ جس کے معنی ہیں "دنیا کی روشنی" ــــ نور جہاں دو سال تک جہانگیر سے ناراض رہی اور اُس سے نہ بولی، آخرکار اُس نے جہانگیر کو معاف کر دیا اور اس کی بیگم ہوگئی۔

اس کے بعد نور جہان سلطنت کرنے لگی اور جہانگیر شکار کھیلنے، شراب پینے اور شعر و شاعری کرنے میں لگ گیا۔ اس نے اپنے دربار میں شاعروں، مصوروں اور موسیقاروں کو جمع کیا۔ اور ان کی مدد سے خود یہ فن سیکھنے لگا۔ اس طرح کچھ عرصہ کے لئے دربار میں شاعروں اور موسیقاروں کا طوطی بولنے لگا۔

چونکہ جہانگیر ایک عمدہ منتظم نہ تھا، اس لئے اس کے سردار علم بغاوت بلند کرنے لگے۔ درباری اُمراء

عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ کسانوں کی حالت روز بروز گرنے لگی۔

یوں تو نور جہاں ایک لائق ملکہ تھی۔ لیکن وہ سلطنت کے صوبوں کے حاکموں کی مخالفت ختم نہ کر سکی۔ وہ نہایت بہادر عورت تھی۔ ایک مرتبہ جب وزیر مہابت خان نے بغاوت کی تو وہ بذات خود اس کے مقابلے کے لئے فوج لے کر میدان جنگ میں گئی۔

جہانگیر کے بیٹے بھی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ ان سب سے ہر لڑکا تخت کا دعویدار تھا۔ ان بیٹوں سے جہانگیر کو بڑا صدمہ پہنچا۔ وہ تھوڑے ہی عرصے بعد مر گیا۔ اس کو لاہور کے پاس شاہدرہ میں دفن کیا گیا۔ اس کے مرتے ہی نور جہاں کی طاقت ختم ہو گئی۔ وہ اکیلی رہنے لگی، کوئی اس کی خبر گیری کرنے والا بھی نہ تھا۔ جب وہ ضعیف ہو کر مر گئی تو اُسے جہانگیر کے مقبرے سے کچھ فاصلے پر دفن کر دیا گیا اور ایک مقبرہ بنوا دیا گیا، یہ مقبرہ آج بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہے۔ شاید اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ مرنے کے بعد اس کی حالت کیا ہو گی اس لئے اس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کی قبر پر یہ شعر کندہ کیا جائے۔

"بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے"

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ہم غریبوں کی قبر پر نہ کوئی چراغ ہوگا نہ پھول، نہ پروانہ اپنے پر جلائیگا

نہ ملبل کی آواز سنائی دے گی۔

شاہ جہان

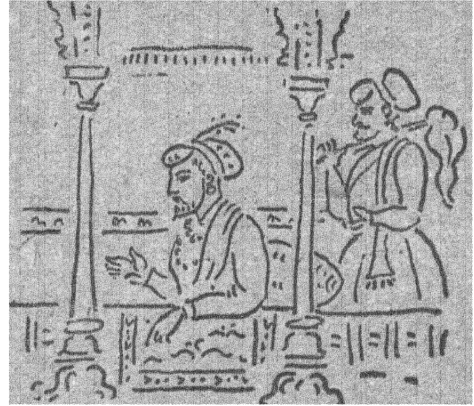
(۱۶۲۷ء سے ۱۶۵۸ء تک)

جب جہانگیر کا بیٹا شاہ جہان تخت نشین ہوا تو سلطنت کی حالت بڑی منتشر اور ابتر تھی۔ صوبوں کے حاکموں کی بغاوت اور تخت حاصل کرنے کے لئے جولڑائیاں ہوئیں ان کی وجہ سے سرکاری افسر بے ایمان اور نکمے ہو گئے۔ کسانوں کے پاس زندگی گذارنے کے لئے کافی اناج نہ تھا۔ لیکن شاہ جہاں اور درباری خوب دادِ عیش وعشرت دے رہے تھے۔ صوبوں کے حاکم اب بھی شہنشاہ کے احکام کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ساحلی علاقوں میں یورپی قوموں نے بھی گڑبڑ مچا رکھی تھی۔ پرتگالی، ڈچ، فرانسیسی اور انگریز آپس میں حسد کرتے تھے اور ہر قوم کی یہ کوشش تھی کہ سب کو نکال کر ملک کی تجارت صرف اُسی کے قبضہ میں آجائے۔ یہ لوگ شہنشاہ کے حکم کی بھی پرواہ کرتے تھے۔

ان وجوہات کی بنا پر شاہ جہاں کو فوج پر بڑی کثیر رقم خرچ کرنی پڑی جس سے خزانہ خالی ہوگیا۔

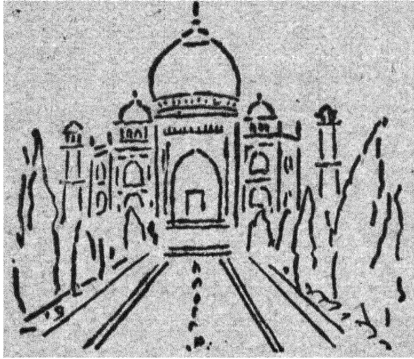
ملک میں بے چینی بڑھ گئی۔

شاہ جہاں کے عزائم بہت بلند تھے۔ اپنے دربار کی شان و شوکت دوبالا کرنے کے لئے وہ خوبصورت اور نفیس عمارتیں تعمیر کرانا چاہتا تھا۔ اس نے دہلی کا لال قلعہ بنوانے کے لئے ملک کے بہترین صناعوں کو کام پر لگایا۔ اس قلعے میں اس نے دو بڑی اہم عمارتیں، دیوانِ خاص اور دیوانِ عام بنوائیں۔ دیوانِ خاص صرف امراء کے لئے تھا، اور دیوانِ عام میں سب لوگ آ جا سکتے تھے۔ اپنے لئے اس نے جواہرات سے مرصع ایک بیش قیمت تخت بنوایا۔



جس کا نام "تختِ طاؤس" رکھا۔

قلعے کے سامنے اس نے ایک عمدہ مسجد بنوائی جس کے گنبد پیاز نما ہیں۔ اس کا نام جامع مسجد رکھا گیا۔



جب اس کی چہیتی بیگم ، ممتاز محل کا انتقال ہوا تو اُس نے آگرہ میں سنگ مرمر کا ایک خوبصورت روضہ اس کی قبر پر تعمیر کرایا۔ جس کا نام تاج محل رکھا گیا۔ یہ مقبرہ دنیا کی مشہور عمارتوں میں سے ایک ہے۔ تمام مقبرہ سفید پتھر کا بنا ہوا ہے۔ دوپہر کے وقت اور چاندنی راتوں میں اس کا حُسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

شاہجہان صرف اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس نے خوبصورت عمارتیں بنوائیں ورنہ نہ تو وہ اپنے سرداروں کی سرکوبی کر سکا اور نہ رعایا کو خوش حال بنا سکا۔

اُس نے ایک طویل عمر پائی۔ اس کی زندگی کے آخری سالوں میں اس کے بیٹے آپس میں سلطنت کی گدی کے لئے لڑنے لگے۔ اور جس طرح شاہ جہاں نے اپنے باپ جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تھی، اسی طرح اس کے لڑکوں نے اس کے خلاف بغاوت کی۔

اورنگ زیب

(۱۶۵۸ء سے ۱۷۰۷ء تک)

شاہ جہان کے بیٹوں کے ان لڑائی جھگڑوں میں اس کے تیسرے بیٹے اورنگ زیب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے دو بھائیوں کو مروا ڈالا اور تیسرا بھائی بھاگ گیا۔ اس نے اپنے باپ کو قید کر لیا تھا۔

اورنگ زیب نے اپنی زندگی بڑی سادگی سے گذاری۔ وہ بڑا محنتی اور جفاکش تھا۔ لیکن وہ کٹر مسلمان تھا اور ہمیشہ من مانی سے کام لیتا تھا۔ جو بات ایک مرتبہ ٹھان لیتا اُسے پورا ہی کر کے چھوڑتا تھا۔

اورنگ زیب نے سوچا کہ وہ فوج کے بل بوتے پر سارے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ اپنا لشکر لے کر اُن صوبوں میں گیا جہاں کے حاکموں نے بغاوت کر رکھی تھی۔ اس لئے اسے خود فوج لے کر ہندوستان کے ایسے صوبوں میں جانا پڑا اور لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ سلطنت کے استحکام کے لئے یہ کام نہایت ضروری تھا۔ لیکن جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو خزانہ تقریباً خالی ہو چکا تھا، کیونکہ شاہجہاں، جہانگیر اور ان کے درباری خوب عیش کر چکے تھے اور بے دریغ

روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ صوبوں کے حاکموں کی بغاوت فرو کرنے میں روپیہ اور خرچ ہوا اس خسارہ کو پورا کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ درباری لوگ عیش و آرام کے بندے ہو گئے تھے۔ وہ لوگ روپیہ زیادہ خرچ کرتے تھے اور اخراجات کم نہ کرنا چاہتے تھے سرکاری ملازمین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے کسانوں پر بے جا ظلم کرنا شروع کر دیا اور کسان لگان کے بوجھ تلے اتنے دب گئے کہ اناج آسانی سے پیدا نہ کر سکے۔



اس کے علاوہ اورنگ زیب کٹر مسلمان تھا۔ اس نے روز بروز ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کی۔

کسان لوگ ایک تو حکومت سے ویسے ہی بددل تھے، دوسرے اورنگ زیب نے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو کسان فوج میں بھرتی نہ ہوگا اُسے ایک خاص ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔ اس لئے لوگ تنگ آ کر شیواجی اور گرو گوبند سنگھ جیسے سرداروں سے جا کر ملنے لگے جو پہلے ہی سے اورنگ زیب کے

خلاف بغاوت کر رہے تھے۔ گرو گوبند سنگھ سکھوں کے آخری گرو تھے۔
اورنگ زیب نے ملک کے کچھ حصے فتح کر کے اپنی سلطنت میں ضرور ملا لیے اور حکومت کو بہت وسیع کر دیا۔ لیکن وہ لوگوں کو اپنا نہ سکا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُس نے اپنے باپ دادا کے کیے کرائے پر بھی پانی پھیر دیا۔

مغل سلطنت کا زوال

جگہ بہ جگہ بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ مرہٹوں کے سردار شیواجی نے مغلیہ سلطنت پر بڑی کاری ضرب لگائی۔
دکن میں بیجا پور نام کی ایک ریاست تھی۔ شیواجی بیجا پور کے ایک معمولی درباری کے بیٹے تھے۔ وہ بیجا پور سے بھاگ نکلے اور باہر جاکر مہاراشٹر، گجرات اور راجپوتانے کے کسانوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا۔ اور انہوں نے ایک زبردست گوریلا (چھاپہ مار) فوج تیار کر لی۔ وہ پہاڑی قلعوں میں چھپ کر رہتے تھے اور گاہے بگاہے مغلیہ سلطنت کے علاقوں پر چھاپے مارتے تھے۔

شاہجہاں کے بعد ملک میں جو بدامنی اور گڑبڑ ہوئی، اس سے شیواجی نے فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کے مغربی حصے میں ایک طاقت حاصل کرلی۔

شیواجی کی سرکوبی کے لئے اورنگ زیب نے کئی مرتبہ فوج بھیجی لیکن مرہٹے گھوڑ سوار اتنے چست اور پھرتیلے تھے کہ مغلیہ فوج کے قابو میں نہ آئے۔

شیواجی ہندوستان کے بہادر لوگوں میں سے ایک تھے۔ وہ بڑے ہوشیار اور چالاک تھے۔ ایک مرتبہ بیجا پور کے سلطان نے اپنے ایک سردار افضل خاں کو شیواجی کو ٹھکانے لگانے کے لئے روانہ کیا۔ شیواجی اس وقت پرتاپ گڈھ کے قلعے میں تھے۔ افضل خاں کے کہنے پر وہ قلعہ سے نکل کر باہر آئے۔ ظاہر طور پر دونوں دوستوں کی طرح مل رہے تھے لیکن چور دونوں کے دلوں میں تھا۔ افضل خاں کا قد بہت لمبا تھا اور شیواجی کا چھوٹا۔ افضل خاں نے سوچا شیواجی چھوٹا سا آدمی ہے، جب مجھ سے آکر گلے ملے گا تو میں اُسے بھینچ کر ہی ختم کردوں گا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی آستین میں ایک خنجر چھپا رکھا تھا۔ ادھر شیواجی نے بھی اپنے ہاتھ میں شیر پنجہ پہن رکھا تھا۔ یہ شیر پنجہ دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا انگوٹھیاں پہن رکھی ہیں۔ شیواجی

افضل خاں سے آکر ملے۔ جیسے ہی افضل خاں نے انھیں بھینچ کر مار ڈالنا چاہا، شیواجی نے اپنا شیر پنجہ اس کی کمر میں بھونک دیا۔

شیواجی اور ان کے ساتھیوں نے چھاپے مار مار کر اورنگ زیب کی سلطنت کو تقریباً ختم کر دیا تھا۔ لیکن شیواجی مر گئے اور ان کے سردار نااہل ثابت ہوئے۔ ان میں سے ہر سردار اپنی سلطنت علحدہ قائم کرنا چاہتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے ساتھ وہ خود بھی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔

جب اورنگ زیب مرا تو ملک کی حالت بالکل ابتر تھی۔ چاروں طرف بغاوتیں ہو رہی تھیں ملک کے لوگ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔



لوگ خیال کرتے تھے کہ مغلیہ سلطنت ہمیشہ قائم رہے گی۔ لیکن وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ہمیں غور و فکر کرنا چاہئے کہ اتنی عظیم الشان سلطنت کیسے ختم ہوگئی؟ صرف دو سو سال پہلے بابر کے سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے سارے ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ کسان مغل سپاہیوں کو دیکھ کر بھاگ نکلتے تھے۔

یہ عظیم سلطنت جو دنیا کی بڑی سلطنتوں میں سے ایک تھی، سمرقند کے ایک چھوٹے سے امیر خاندان نے قائم کی تھی۔

تو پھر ایسی زبردست سلطنت کا شیرازہ کیسے بکھر گیا؟

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آخر میں بادشاہ کے درباری، امراء اور دوسرے افسر حریص ہوگئے تھے۔ انھیں کسانوں سے جو لگان حاصل ہوتا تھا، اُسے شکار، سیر و تفریح، پُرتکلف دعوتوں، بھڑکیلے لباسوں اور قیمتی زیورات بنوانے میں اُڑا دیتے تھے۔ بادشاہوں نے نہریں کھدوانے، سڑکیں بنوانے، یا لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ کسان اتنے بیزار ہوچکے تھے کہ کوئی بھی امیر، یا چھوٹا موٹا راجا نواب انھیں بادشاہِ وقت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا تھا۔ اور الگ ریاست قائم کر سکتا تھا۔

اس طرح یہ سلطنت رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوگئی۔

یورپی قومیں

اورنگ زیب کی موت کے ایک سو پچاس سال بعد تک ملک میں فتنہ و فساد، لڑائی جھگڑے، قحط اور افراتفری مچی رہی۔ راجا اور بادشاہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ جس طرح پہلے ہندوستان کی اندرونی پھوٹ اور نفاق سے فائدہ اٹھا کر بیرونی اقوام نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا، اسی طرح ۱۷۳۹ء میں ہندوستان کی گڑ بڑ سے فائدہ اٹھا کر ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ اس نے دہلی کو خوب تاراج کیا، دولت خوب لوٹی اور اپنے ساتھ شاہ جہاں کا تخت طاؤس بھی لے گیا۔

لیکن اس کے بعد بھی ہندوستانی راجا اور نواب آپس میں آمادۂ پیکار رہے۔ اور فرنگی قومیں، پرتگالی، فرانسیسی، ڈچ (یعنی ہالینڈ کے باشندے) اور انگریز، ان راجاؤں اور نوابوں کو ورغلاتی رہیں اور انھیں مدد دے دے کر آپس میں لڑاتی رہیں۔ ان ولایتی قوموں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ساری طاقت ان کے ہاتھ میں آجائے۔ اسی لئے وہ ایک راجا یا نواب کو دوسرے کے خلاف بھڑکا کر آپس میں لڑاتی رہیں۔

واسکوڈی گاما جو ایک پرتگالی بحری جہاز کا کپتان تھا، پہلا فرنگی سیاح تھا جس نے پرتگال سے



ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کیا۔ وہ افریقہ کی راس امید کا چکر کاٹ کر ۱۴۹۸ء میں ہندوستان کے کالی کٹ بندرگاہ پر اُترا۔ لیکن پرتگالی لوگ دوسری یورپی قوموں کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اُنھوں نے گوآ اور دو ایک چھوٹے چھوٹے مقامات پر ہی اکتفا کیا اور میدان چھوڑ بھاگے۔ ان مقامات پر آج بھی وہ لوگ قابض ہیں۔

ہندوستان میں انگریزوں نے سب سے زیادہ مضبوطی سے قدم جمائے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی، جسے لوگ جان کمپنی کہا کرتے تھے، بڑی مالدار اور مضبوط کمپنی ہوگئی تھی۔ اس کا سب سے بڑا رہنما رابرٹ کلایو تھا۔ کلایو شروع میں تو جان کمپنی میں ایک معمولی کلرک تھا، لیکن بعد میں اس نے یہ پیشہ چھوڑ دیا اور ایک جنگجو سپاہی بن گیا۔

ایک مرتبہ کلایو نے ارکاٹ میں فرانسیسیوں پر حملہ کرنے

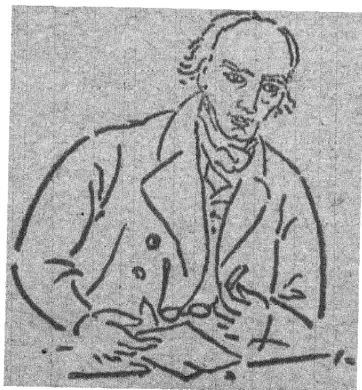
کا ارادہ کیا اور ۵۲ دن بعد انھیں پسپا کرنے میں کامیاب ہوگیا اور ارکاٹ پر قابض ہوگیا۔ اس کے بعد تو انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان لڑائیوں کا ایک تانتا بندھ گیا جو سات سال تک جاری رہا۔ آخر کار فرانسیسیوں کو، جو ڈوپلے کی کمان میں لڑ رہے تھے، شکست ہوئی اور ان کا زور ختم ہوگیا۔

اس کے بعد جان کمپنی نے ہندوستانی راجاؤں اور نوابوں کو ختم کرنا شروع کیا۔

ان دنوں بنگال کا مغل گورنر سراج الدولہ تھا۔ یہ مغلوں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جان کمپنی کے ملازم ہندوستانیوں کو بہت پریشان کرنے لگے تھے۔ سراج الدولہ کو بہت برا لگا۔ اس لئے اُسنے انگریزوں کی بندرگاہ کلکتہ پر حملہ کردیا۔ اس مقام پر سراج الدولہ نے کچھ انگریزوں کو کمپنی کے قیدخانہ میں قید کردیا۔ قیدخانہ بہت تنگ تھا اس لئے کچھ قیدی حبس دم کی وجہ سے مرگئے۔ انگریزوں نے اس واقعہ کو بہت بڑھا چڑھا کر مشہور کیا۔ اور انگریز بچّوں کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر بڑے دردناک الفاظ میں کیا۔ اس قیدخانہ کا نام "کلکتہ کی کال کوٹھری" رکھا اور کلکتہ میں اس کی ایک یادگار بھی قائم کی۔ کچھ دن ہوئے کہ نیتاجی سبھاش نے اس یادگار کو ہٹوانے کی کوشش کی تھی۔

ہندوستان میں انگریزوں کی طاقت کو بڑھانے میں یہ دو آدمی بہت پیش پیش تھے۔ ایک تو کلایو اور دوسرے وارن ہسٹنگز۔

کلکتہ کے حملے کے تھوڑے دنوں بعد کلایو نے ایک بڑی فوج مرتّب کی اور پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کو شکست دی۔ اس موقع پر ہسٹنگز نے بڑی چالبازی سے کام کیا۔ اس نے سراج الدولہ کے ایک سپہ سالار میر جعفر کو اپنی طرف ملا لیا۔ اور اس غدّاری کے صلے میں میر جعفر کو انگریزوں نے بنگال کا گورنر بنا دیا۔



کلایو ۳۵ سال کی عمر میں اپنے عہدے سے دست بردار ہو گیا۔ اس عرصے میں اس نے رشوت خوری کے ذریعہ بڑی دولت جمع کر لی تھی۔ اس کے بعد ہسٹنگز نے اسکی جگہ لے لی۔

ہسٹنگز بڑا عالم تھا۔ لیکن جتنا اسے کتابوں کا شوق تھا اُتنا ہی سازشوں کے جال بُننے کا بھی۔ اس نے ہندوستان سے کمپنی کو خوب روپیہ کموایا۔ اور خود بھی راجا اور نوابوں کو ناجائز طور پر ڈرا دھمکا کر خوب رشوتیں لیں۔ انگریز پہلے ہی سے جانتے تھے کہ ہندوستان بڑا مالدار ملک ہے۔ انہوں نے

اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ انھیں کبھی اس بات کا خیال تک بھی نہ ہوا کہ اس ملک کے کسان دنیا میں سب سے زیادہ مفلس اور قلاش ہیں۔

کچھ ایماندار انگریزوں نے جان کمپنی کی اس لوٹ کھسوٹ اور ہسٹنگز کے مظالم کی مذمت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہسٹنگز پر انگلستان کی پارلیمنٹ میں مقدمہ چلا۔ اس کے خلاف عائد کیے گئے جرائم کی تفتیش کی گئی۔ یہ مقدمہ سات سال تک جاری رہا۔

شروع شروع میں انگریز ہندوستان میں ململ اور چھینٹ لینے آیا کرتے تھے لیکن اب مانچسٹر اور انگلستان کے دوسرے شہروں میں ان چیزوں کے کارخانے قائم کیے گئے۔ اور اس طرح انگریز ہمارے ملک کی روئی سے اپنے ملک میں کپڑا تیار کر کے ہمارے ہی ملک میں بیچنے لگے۔ اور ہمارے ملک کی صنعت و حرفت تباہ ہوگئی۔

جان کمپنی جلدی جلدی ہندوستان کی متعدد ریاستوں پر قبضہ کرتی گئی۔ اس نے بہت سے ہندوستانیوں کو جاگیریں اور خطاب دے کر اپنی طرف ملا لیا۔ ہمارے کسان غلام بن گئے اور بمشکل اپنا پیٹ پالنے لگے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ ہمارے کسان قدیم زمانے سے مل جل کر رہتے آئے تھے۔ وہ کاشتکاری کر کے پیٹ پالتے تھے لیکن کسی کے غلام نہ تھے۔ انھیں زمین کی کمی نہ تھی۔

—— وہ جتنی زمین چاہتے، مل جاتی تھی۔ لیکن اب وہ سنہری دن دور جا چکے تھے۔

ہمارے ملک کے جولاہے دنیا میں سب سے باریک اور نفیس کپڑا بنتے تھے۔ لیکن اب کپڑا انگلستان سے ہندوستان میں آکر بکنے لگا۔ اس لئے وہ لوگ تباہ ہو گئے۔ ملک میں جگہ جگہ قحط پڑنے لگے۔ سب سے مشہور قحط ۱۷۷۰ء میں پڑا۔ کروڑوں آدمی بھوکوں مر گئے۔

ڈھاکہ کی ململ دنیا بھر میں مشہور تھی۔ اس شہر کی آبادی دس سال کے عرصہ میں ہی ڈیڑھ لاکھ سے گھٹ کر بیس ہزار رہ گئی۔

ہمارے جہاز جو ہزاروں سال سے سمندروں میں آتے جاتے تھے، اُن کا اب کہیں نشان بھی نہ رہا۔ اور ہمارے سمندر میں انگریزی جہاز چلنے لگے۔

ہندوستان کی رگ رگ کا خون چوس لیا گیا۔

اس اثنار میں جان کمپنی نے اپنا راجاؤں اور نوابوں کو آپس میں لڑانے کا کام جاری رکھا اور ایک کے بعد دوسرے راجا اور نواب کو ختم کرتی رہی۔ اور اس طرح فرنگیوں نے مرہٹوں کے پیشوا، حیدر علی، ٹیپو سلطان، پنڈاری، پٹھان اور رنجیت سنگھ کے وارثوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

انگریزوں نے ہندوستان کے راجاؤں اور نوابوں کو آپس میں خوب لڑایا پھر بھی وہ ہندوستانی جنتا کو آسانی سے نہ دبا سکے۔ ہندوستان کی جنتا ایک مدّت سے ان کے جور وظلم کا شکار تھی، آخر ایک دن ان کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔

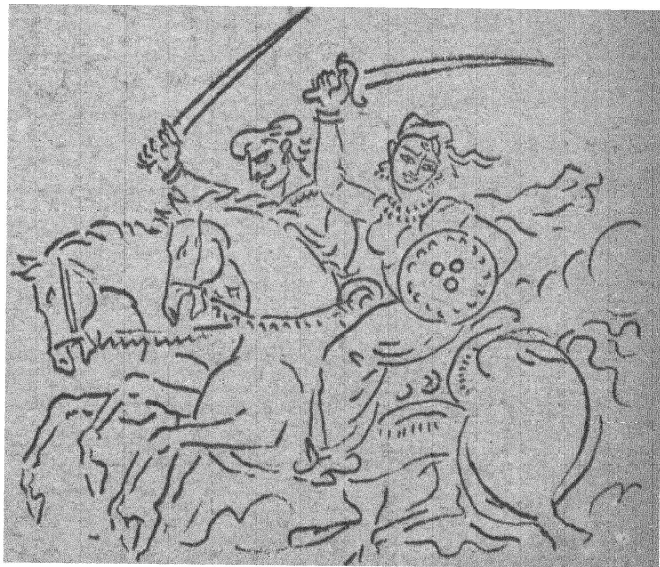
اس جنگ کے رہنما یا نیتا دہلی کے شہنشاہ بہادر شاہ تھے۔ جو ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اس بغاوت کا آغاز کمپنی کے سپاہیوں سے ہوا۔ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر میدان میں اُتر آئے۔

جھانسی کی رانی لکشمی بائی نے اس جنگ میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ اُس نے اپنی فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے متعلق ایک انگریز سر ہیو روز کا مقولہ ہے :-

"باغیوں کی فوج میں وہ سب سے بہادر اور قابل سپاہی تھی"

ہندوستانی سپاہیوں نے دہلی، لکھنؤ، کانپور، روہیلکھنڈ اور دوسرے مقامات میں انگریزوں کا بڑی جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ چند مقامات پر انہوں نے فتح بھی پائی۔ لیکن ہندوستان کے

کچھ راجا انگریزوں سے جا ملے۔
علاوہ ازیں جو راجا، نواب عوام کے شریک تھے وہ نسبتاً کم طاقتور تھے۔ ان راجاؤں میں سے کچھ نے تو صرف یہ کیا کہ جو دو چار انگریز ان کے ہاتھ لگے، انہوں نے اُنھیں مار رکھا۔ چھوٹی موٹی اور بکھری ہوئی طاقتوں کو یکجا کر کے ایک بڑی اور طاقتور فوج مرتّب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔
شہنشاہ بہادر شاہ نے اپنے رزمیہ اور آتشین گیتوں سے لوگوں کو جوش دلایا۔ لیکن وہ بھی



بادشاہ برائے نام ہی تھے۔ تخت سلطنت حاصل کرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ان کی طاقت زائل ہو گئی تھی۔ اس جنگ سے ایک اچھا نتیجہ برآمد ہوا۔ وہ یہ کہ ہندو اور مسلمان مل کر لڑے اور اس طرح آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو گیا۔

آزادی کی اس جنگ میں ہندوستانیوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ جگہ جگہ انہوں نے انگریزی فوجوں کے دانت کھٹے کیے لیکن متذکرہ بالا وجوہات کی بنا پر شکست ہندوستانیوں کی ہوئی۔ بہادر شاہ قید کر لیے گئے اور انگریزوں نے انھیں برما بھیج دیا۔



قید خانے میں بہادر شاہ کو قلم اور دوات تک ہاتھ لگانے کی اجازت نہ دی گئی۔ وہ

شاعر تھے۔ انہوں نے قید خانے کی دیواروں پر ہی کوئلے سے اشعار لکھ دیئے۔ وہ تنہا اور اُداس تھے۔
انہوں نے ایک دفعہ لکھا:-

"نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں، نہ کسی کے دل کا سرور ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے، میں وہ ایک مُشتِ غبار ہوں"

اب دہلی تباہ و برباد ہو گئی۔ ورنہ اسی دہلی میں خود بہادر شاہ کے الفاظ میں:-
"دلّی ایک جنّتِ ارضی تھی جہاں ہمہ وقت نشاط و طرب کے میلے لگا کرتے تھے"
"لیکن امن و امان کی اُس دُلہن کو ظالموں نے بیوہ کر دیا"
"اب خوف و ہراس اور تباہی و بربادی کے سوا کچھ اور باقی نہیں رہا"

جنگ کے بعد انگریزوں نے بے پناہ مظالم ڈھائے۔ انہوں نے صرف الہ آباد شہر میں ہی ستر ہزار (۷۰۰۰۰) نفوس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جن میں عورتیں، بچّے اور بوڑھے بھی شامل تھے۔ لفٹیننٹ رابرٹ نے، جو بعد میں فیلڈ مارشل رابرٹ کہلایا، اپنی ماں کو ایک خط میں لکھا کہ اُس نے بہت سے آدمیوں کو توپ کے دھانے پر رکھ کر ہی اڑا دیا۔ ایک اور بڑے انگریز نے فخریہ طور پر کہا کہ اس نے نہ جانے کتنے افراد کو "نئے نئے طریقوں" سے ستا ستا کر مار ڈالا۔

ان نئے طریقوں میں سے کچھ طریقے یہ استعمال کئے کہ بہت سے آدمیوں کی چوٹیاں درختوں میں بندھوا دیں اور تب تک بندھوائے رکھیں جب تک کہ درد و کرب سے ان کا دم نہ نکل گیا ۔ کچھ آدمیوں کو ہاتھی کی پیٹھ پر سے نیچے گروایا گیا اور انھیں ہاتھیوں کے بھاری پیروں تلے بے دردی سے کچلوا دیا گیا ۔

ملکہ وکٹوریہ

اس ظلم و تشدّد اور قتل و غارت گری کے بعد انگریزوں نے امن قائم کرنے کی کوشش کی ۔ انگلستان کی پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی ۔ ملکہ وکٹوریہ نے ایک عظیم الشان تقریر کی اور ہندوستانیوں کی حالت بہتر کرنے کا وعدہ کیا ۔ ملکہ نے اعلان کیا کہ ہر وہ راجا اور نواب جو انگریزوں کی اطاعت قبول کرے گا ، کسی طرح بھی دست بردار نہیں کیا جائے گا اور اپنی ریاست کا اُسے پورا حق ہوگا ۔ اس اعلان سے ہندوستان کے راجا اور نواب انگریزی حکومت کے وفادار ہو گئے ۔ لیکن انگریز افسروں نے وکٹوریہ کے ان

وعدوں کو جھوٹا ثابت کر دیا۔

ان میں کچھ انگریزوں کا برتاؤ تو بے شک بڑا ہمدردانہ تھا۔ لیکن اکثر و بیشتر انگریزوں نے "بڑا صاحب" بننے کی کوشش کی۔ وہ ہندوستانیوں کو "کالا آدمی" کہا کرتے تھے، اور اکثر بات کرنے سے پہلے ٹھوکر مار کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ وہ عام لوگوں سے دور شاندار کوٹھیوں میں رہا کرتے تھے۔ اور ہمیں ذلیل کرنے کے لئے اپنے کلبوں اور تفریح گاہوں کے دروازوں پر لکھ دیا کرتے تھے: "ہندوستانیوں اور کتّوں کے لئے اندر آنے کی اجازت نہیں"۔

ہندوستان میں رہ کر وہ بے شمار روپیہ کماتے اور اپنے ملک انگلینڈ لے جا کر خرچ کیا کرتے تھے۔

اس سے پہلے بھی بیرونی ممالک کے لوگ ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آئے تھے لیکن وہ یہاں ہندوستانیوں ہی کی طرح طرزِ زندگی اختیار کر لیتے تھے۔

مگر انگریز ہمیشہ ہم سے علیحدہ رہے۔

انگریزی حکومت

انگریز ہندوستان کے طرز معاشرت کو نہ سمجھ سکے اور انھوں نے زمینداروں اور کسانوں کو زمین کا مالک بنانے کا رواج چلایا۔ اس سے پہلے زمین کا مالک کوئی نہ ہوتا تھا، بلکہ صرف زمین کی کاشت کا حق دیا جاتا تھا۔ اس طرح انگریزوں نے انگلینڈ کے جاگیرداروں کی طرح ہندوستان میں بھی جاگیردار پیدا کر دئے۔

سارے کسان مقروض ہو گئے اور انھوں نے اپنی زمینیں فروخت کرنی شروع کر دیں۔ کسانوں کے لئے روزگار کے دروازے بند ہو گئے کیونکہ انگریزوں نے ہندوستان میں بہت کم کارخانے بنوائے۔ انھوں نے انگلستان میں، ہندوستان کو سامان فراہم کرنے کے لئے کارخانے قائم کئے تاکہ وہاں کے لوگوں کو روزگار مل جائے۔ ساتھ ساتھ انھوں نے ہمیں پست اور مفلس بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اس ڈر سے کہ کہیں ہم پھر ان کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ کروڑوں انسان بے کار ہو گئے۔ تقریباً پچاس برس میں بائیس قحط پڑے، یعنی ہر دو سال بعد ایک قحط کی

مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ اور ہندوستان دنیا میں سب سے زیادہ مفلس اور پست ملک ہوگیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے آخری دنوں میں ہر ہزار بچوں میں ایک سو ساٹھ بچے تو پیدایش کے وقت ہی مر جاتے تھے۔ لاکھوں آدمی قحط، تپ دق، ملیریا اور دوسری مہلک بیماریوں کے شکار ہو گئے۔ ہندوستان کے باشندوں کا اوسطِ عمر دنیا کے ملکوں میں سب سے کم ہوگیا یعنی صرف ستائیس سال ــــ اور صرف بارہ فیصدی لوگ پڑھے لکھے تھے۔

دراصل ہمیں کبھی یہ نہ بھولنا چاہئے کہ انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے ہماری زندگی میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ انگریزوں نے ہمارے ملک میں ریلیں اور سڑکیں بنائیں۔ جن کے ذریعہ شہر اور گاؤں آپس میں مل گئے۔ ہمارے انگریز حاکموں نے یہ سب چیزیں اپنے ذاتی مفاد، کچے مال کی نقل و حرکت اور فوجوں اور آفیسروں کی آمد و رفت کے لئے بنوائیں۔ لیکن لوگوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان میں صنعتی ترقی بہت معمولی قسم کی ہوئی، لیکن اس کے ذریعہ دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ ملکوں سے ہمارا ربط و ضبط بڑھا۔

ہمارے بہت سے مشہور رہنما اور دانشور یورپی اور انگریزی طرزِ معاشرت کا جائزہ لینے کیلئے

انگلینڈ اور یورپ گئے ۔ انہوں نے دیکھا اور سمجھا کہ ہندوستان پر جو لوگ حکمرانی کر رہے ہیں وہ یورپ کے موجودہ مفکروں اور مدبّروں کے مقابلے میں بہت تنگ نظر اور محدود دماغ ہیں۔ ہمارے ملک کے ان لوگوں نے یورپ کے ان مفکروں سے بہت کچھ سیکھا، جمہوریت کا اصل اصول یعنی " عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ اور عوام کے ہی لئے " ہماری قوم کا اتنا ہی تمدنی اصول بن گیا جتنا کہ موجودہ یورپی ممالک کا۔ چونکہ ہم ایک بدیشی راج کے غلام تھے، اس لئے ہمارے رہنماؤں نے جمہوریت کے ہتھیار کو بڑے شد و مد سے استعمال کیا۔

بیداری

کم وبیش سو سال پہلے ہی ہمارے ملک میں بیداری پھیل چکی تھی ۔
ہمارے کچھ رہنما اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہوئے اور انہوں نے انگریزی طور طریقوں کو سمجھا ۔

انہوں نے محسوس کیا کہ انگریزی زبان ہندوستان میں آزادی اور حرّیت کے وہ خیالات اور تحریکیں نہیں لائی جن کی خود انگلینڈ میں تعلیم دی جاتی ہے ۔ اس لئے انہوں نے احتجاج کئے گو کہ یہ احتجاج بہت معمولی سے تھے ۔ ہمارے ملک کے رئیسوں اور سرمایہ داروں کی تجارت ماند پڑ گئی ، ان کے لڑکوں کو ملازمتیں نہ ملیں جب کہ انگریزوں کو سب کچھ حاصل تھا ۔
مسلمانوں کو زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا ۔ انھیں زیادہ مشکلات اور مصائب پیش آئے ۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد انگریز ان کے سخت دشمن ہو گئے تھے ۔ مسلمان زیادہ تر جاہل رکھے گئے ۔ ہندوؤں نے اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں پہلے تعلیم حاصل کرنی شروع کی ۔ مفلسی

نسبتاً مسلمانوں میں زیادہ رہی۔ مسلمان جولاہے زیادہ تعداد میں بے روزگار ہوگئے۔ کیونکہ انگریزوں
نے قصداً ہندوستان کے بُننے اور کاتنے کے کارخانوں کو تباہ کر دیا اور انگلینڈ سے کپڑا درآمد کرنے
لگے۔ مسلمان دستکار اور صنعت کار اِدھر اُدھر روزگار کی تلاش میں پھرنے لگے۔ اس بیکاری نے
ان کی روح کچل دی۔ جب ہمارے بزرگوں نے دوبارہ انگریزوں کے خلاف تحریک اٹھائی تو شروع
شروع مسلمانوں نے ساتھ نہ دیا، کیونکہ وہ بہت زیادہ مایوس ہو چکے تھے۔ انگریزوں نے انھیں
اور بھی روکنے کی کوشش کی اور اپنا "لڑاؤ اور حکومت کرو" والا اصول برتا۔

انڈین نیشنل کانگریس

ہندوستان کے باشندوں کے حالات بہتر بنانے کی مانگ کیلئے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم کی گئی۔ شروع میں تو ہمارے رہنماؤں نے اس تحریک کو ملکہ وکٹوریہ کو عرضیاں بھیجنے اور وائسرائوں کو اپلیں کرنے تک ہی محدود رکھا، لیکن "بڑے صاحبوں" کو یہ بات بھی برداشت نہ ہوسکی۔ انہوں نے کہا کہ کانگریس والے لوگوں کو مشتعل کرکے ملک میں بدامنی اور گڑبڑ پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ لیکن جلد ہی عام لوگ انگریزوں سے بیزار نظر آنے لگے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف آواز بلند کی اور یہ آواز روز بروز زور دار ہوتی گئی۔ ہمارے دوراندیش اور عقلمند لیڈر انگریزوں کے سامنے ایسے سوالات پیش کرنے لگے جن کے جواب سے وہ قاصر تھے۔

ان بڑے رہنماؤں میں ایک دادا بھائی نوروجی بھی تھے جنھیں لوگ ہندوستان کا "عظیم بزرگ" کہتے تھے۔ وہ انگلینڈ کی پارلیامنٹ کے ممبر منتخب کئے گئے۔ وہاں انہوں نے ہندوستانیوں کے حقوق

بڑی زور دار تقریریں کیں۔ ہندوستان کے لئے سوراج کا مطالبہ سب سے پہلے انہوں نے ہی رکھا تھا۔
دوسرے بڑے لیڈروں میں لوکمانیہ تلک اور گوکھلے تھے۔ تلک اپنے ملک پر جان قربان کرتے تھے۔ وہ ایک بڑے عالم اور عمدہ مقرر تھے۔ گوکھلے عدم تشدد کی پالیسی کے ماننے والے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لیڈر تھے جو اپنے ملک سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔
انڈین نیشنل کانگریس کے جلسے ملک میں جگہ جگہ ہونے لگے اور اس کی طاقت روز بروز بڑھنے لگی۔ شروع شروع میں تو انگریزوں نے کانگریس کی کوئی مخالفت نہ کی۔ ان کا خیال تھا کہ کانگریس کی مدد سے وہ ہندوستان میں زیادہ آسانی سے حکومت کر سکتے ہیں۔ لیکن جب لوگ زیادہ تعداد میں کانگریس میں شریک ہونے لگے اور کانگریس ایک مستحکم جماعت کی شکل اختیار کر گئی اور اس نے آزادی کا مطالبہ پیش کیا تو انگریزوں نے اس کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور اس کو کچلنے کے لئے سخت کوششیں کرنے لگے۔

لارڈ منٹو اور مسٹر مورلے

۱۹۰۶ء میں انگریزوں کو احساس ہوا کہ انھیں ہندوستانیوں کو کچھ نہ کچھ تو دینا ہی پڑے گا۔ اس لئے انہوں نے حکومت کے طور طریقوں میں کچھ اصلاحیں کیں۔ جو "منٹو مورلے اصلاحات" کہلائیں۔ لارڈ منٹو اُن دنوں ہندوستان کے وائسرائے تھے اور مسٹر مورلے انگلستان کی پارلیمنٹ میں ہندوستان کے سکریٹری تھے۔ ان اصلاحات کی رُو سے ہندوستانیوں کو کچھ حقوق ضرور ملے لیکن اصل طاقت انگریزوں کے ہاتھوں میں رہی۔

مسٹر مورلے اعتدال پسند لیڈروں کو اپنی طرف ملانا چاہتے تھے، اعتدال پسند اُن لیڈروں کا گروہ تھا جو ہندوستان میں انگریزوں کے وجود پر تو راضی تھے لیکن ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کو کچھ حقوق بھی دلوانا چاہتے تھے۔ مورلے ان لوگوں سے خوش تھے لیکن انتہا پسندوں سے سخت ناراض تھے کیونکہ انتہا پسند لیڈر کسی طرح بھی انگریزوں کا وجود ہندوستان میں نہ دیکھ سکتے

تھے۔ منو کی پالیسی یہ تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم نہ ہونے پائے اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔

اس طرح "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا کھیل شروع ہوا۔ انگریز اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑوں سے ان کی طاقت زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔

مسلمانوں میں بیداری

ان حالات کے تحت مسلم لیگ کا قیام ہوا۔ بدقسمتی سے کچھ ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ رویہ اچھا نہ تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ کھانا پینا بھی پاپ سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ حرکت بہت بری لگتی تھی۔ علاوہ ازیں مسلمان مادی ترقی، مال و دولت اور علم کے لحاظ سے ہندوؤں سے پیچھے تھے۔

اردو کے بلند پایہ شاعر حالی نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے اچھی نظمیں لکھیں۔ ان کی نظموں نے مسلمانوں کو اپنی پستی کا احساس دلایا۔

دوسری طرف مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما، سر سیّد احمد خاں نے علی گڑھ میں ایک مسلم کالج

کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا مشورہ دیا۔
انگریزوں نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ وہ تو چاہتے ہی تھے کہ کسی نہ کسی طرح ہندوستانی ان کے غلام رہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ مُلک میں عام مسلمان اور ہندو پھر بھی میل جول اور رواداری سے رہے، البتہ مسلمانوں میں وہ لوگ جو سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کے خواہش مند تھے انہوں نے انگریزوں کی باتوں پر کان دھرنا شروع کیا۔

پہلی جنگ عظیم

(۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک)

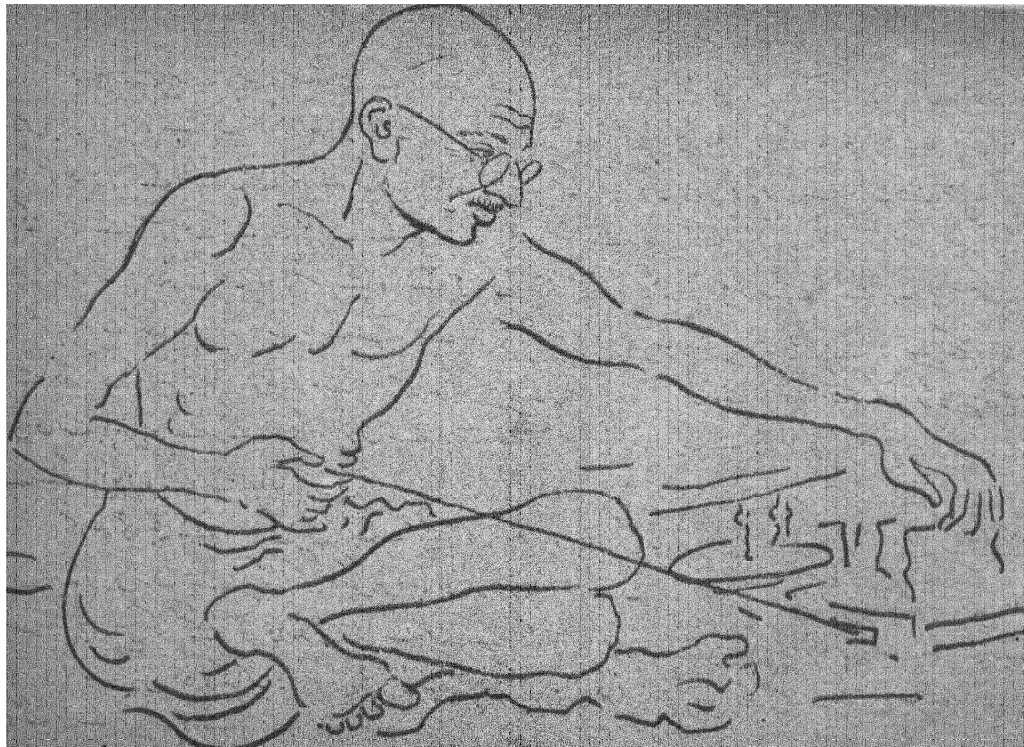
جب یورپ میں انگلینڈ اور جرمنی ایک دوسرے کے خلاف میدان جنگ میں کودے تو انگریزوں نے ہندوستان سے امداد طلب کی۔ انگریزوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہندوستان کے سپاہی ان کی طرف سے لڑیں اور ہندوستانی ان کی مالی امداد کریں تو وہ جنگ فتح پانے کے بعد ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔

ہمارے سپاہیوں نے اس جنگ میں سر دھڑ کی بازی لگا دی اور ہم نے دل کھول کر روپیہ پیسہ دیا۔ لیکن جب جنگ ختم ہوئی اور انگریزوں کو فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے اپنے وعدے سے منہ موڑ لیا انہوں نے کہا کہ ہم ہندوستانیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ بجائے آزادی دینے کے انہوں نے رولٹ بل (کالا قانون) بنایا۔ اس قانون کی رو سے لوگ آپس میں مِل جُل کر آزادی سے بات چیت کرنے سے مجبور ہو گئے کیونکہ پولیس انھیں فوراً گرفتار کر لیتی تھی۔

مہاتما گاندھی

مہاتما موہن داس کرم چند گاندھی نے اس کالے قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ وہ کاٹھیاواڑ کے ایک شریف گھرانے کے فرزند تھے۔ انگلینڈ جا کر انھوں نے وکالت کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اس کے بعد وہ جنوبی افریقہ چلے گئے۔ یہاں گورے لوگ "کالے ہندوستانیوں" کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ اپنے بھائیوں کی اس حالتِ زار کو دیکھ کر انھوں نے وہاں کی ظالم سرکار کا بڑی جواں مردی سے مقابلہ کیا اور اس سلسلے میں کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔

اب مہاتما گاندھی نے ہندوستانیوں کو عدم تعاون اور اہنسا (عدم تشدد) کی تعلیم دی۔ عدم تعاون کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستانی انگریز حاکموں سے قطع تعلق کریں اور انھیں کسی قسم کی مدد نہ دیں۔ لیکن ساتھ ساتھ پُر امن بھی رہیں۔ انگریز کتنا ہی ظلم کریں لیکن وہ ان کے اوپر ہاتھ نہ اُٹھائیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے لوگوں کو راست گوئی کی تعلیم دی۔ ان کی ان باتوں کو دیکھ کر لوگ انھیں "مہاتما" کہنے لگے۔



کچھ عرصے بعد وہ ہندوستان کے بہت بڑے اور ہر دل عزیز لیڈر بن گئے۔ حتیٰ کہ اس زمانے کو جس میں کہ ہم رہتے ہیں "گاندھی جی کا زمانہ" کہا جاتا ہے۔ ساری دنیا میں گاندھی جی کے اہنسا اور عدم تعاون کے اصولوں کی شہرت ہوگئی۔ ہمارے ملک کے مردوں اور عورتوں نے ملک سے محبت کرنا اُن ہی سے سیکھا ہے۔ اُنہوں نے نہ صرف ہمیں سیدھے سادے ڈھنگ سے زندگی بسر کرنا، چرخہ کاتنا، کھدر پہننا اور تیسرے درجے میں سفر کرنا سکھایا بلکہ غریبوں سے محبّت کرنا بھی سکھایا۔ انھیں چھوت چھات اور ذات پات سے سخت نفرت تھی۔ اعلیٰ ذات کے ہندو جو ادنیٰ ذات کے ہندوؤں سے حقارت آمیز برتاؤ کرتے تھے، اس سے گاندھی جی سخت متنفر تھے۔ ملک کے کروڑوں ہریجنوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے انہوں نے برت رکھے اور چھوت چھات کی بُری رسم کو دور کرنے کے لئے انہوں نے لڑائیاں لڑیں۔

گاندھی جی نے دنیا کی پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کی مدد کی تھی۔ لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد لیڈروں نے جب دیکھا کہ انگریز اپنا وعدہ پورا نہیں کرتے اور لوگ مل جل کر آزادی سے بات چیت بھی نہیں کر سکتے تو گاندھی جی نے سارے ملک میں ہڑتال کرادی۔ اور ہڑتال کے لئے ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کا دن مقرر کیا گیا۔ گاندھی جی پنجاب پہنچنے کے لئے سفر کر رہے تھے کہ انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر لوگ بڑے برہم ہوئے۔

جلیان والا باغ

امرتسر میں ایک چھوٹا سا باغ ہے، جس کے اردگرد دیوار کھڑی ہے۔ اندر داخل ہونے کے لئے صرف ایک تنگ راستہ ہے۔ اسے جلیان والا باغ کہتے ہیں۔ اس باغ میں عوام اپنے لیڈروں کی تقریریں سننے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ عوام کے اس مجمع میں مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سب ہی موجود تھے۔ انگریزی فوج کا ایک افسر جنرل ڈائر یہاں پہونچا اور باغ کے دروازے پر ایک مشین گن لگوادی۔ لوگوں سے گھر جانے کے لئے کہے بغیر اور بغیر کسی تنبیہہ کے اس نے گولی چلوادی۔ اس طرح تقریباً تین سو آدمی ہلاک ہوئے اور ہزاروں زخمی۔ ڈائر چلا گیا لیکن باغ میں زخمیوں کی مرہم پٹی تک کی اجازت نہ دی گئی۔ زخمی تمام رات لاشوں کے درمیان درد و کرب سے چیختے اور چلاتے رہے۔ اور پانی کے لئے ترستے رہے۔

اس سانحۂ عظیم کے ہفتوں بعد تک انگریزی سرکار پنجاب کے باشندوں پر مظالم کے پہاڑ توڑتی رہی۔ طالب علموں کو اسکولوں میں حاضری دینے کے لئے میلوں پیدل چلایا گیا۔ اور کچھ

لوگوں کو پیٹ کے بل رینگوایا گیا۔

اس ظلم و جور کی خبریں ملک کے طول و عرض میں آگ کی مانند پھیل گئیں۔ سارے ملک میں ایک کہرام مچ گیا۔ شاعرِ اعظم رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنا "سر" کا خطاب جو انھیں انگریزی حکومت سے ملا تھا، واپس کر دیا۔ ان کے خیال میں یہ خطاب نہیں بلکہ ذلّت اور بے عزّتی کا تمغہ تھا۔

ہندو مُسلم بھائی بھائی

ان افسوس ناک واقعات کا اثر یہ ہوا کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ گئے۔ مہاتما گاندھی نے نعرہ لگایا "ہندو مسلم کی جے" اور کہا اس نعرے کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔

اس اثنا میں کانگریس ایک مضبوط اور با اثر جماعت بن گئی۔ ہماری تحریک آزادی کے بہت سے بڑے لیڈر تھے۔ مہاتما گاندھی ان لیڈروں میں سب سے ممتاز لیڈر تھے —— پنڈت موتی لال نہرو، دیش بندھو سی۔ آر۔ داس، وٹھل بھائی پٹیل، اور ولبھ بھائی پٹیل، سروجنی نائیڈو، مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، سی۔ راج گوپال اچاریہ، لالہ لاجپت رائے اور مولانا ابوالکلام آزاد

جیسے قابل لیڈر مہاتما گاندھی کے ساتھی تھے۔ وائسرائے ہند چیمسفورڈ اور سکریٹری مانٹیگو نے ہندوستان کے لیڈروں پر مشتمل ایک پارلیامنٹ بنائی۔ جس میں ہندوستانیوں کو حکومت کے کاموں پر نکتہ چینی اور بحث و تحمیص کا حق دیا گیا۔ لیکن ہمارے دور اندیش لیڈروں نے فوراً تاڑ لیا کہ اس طرح کی پارلیامنٹ ایک فریب اور دھوکا ہوگا اور اس سے ملک کو چنداں فائدہ نہ پہونچے گا۔

اس کے بعد تقریباً بارہ سال تک ہندوستان کے لوگ گاندھی جی کی قیادت میں اہنسا کے اصولوں کی پابندی کرتے اور آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ اور کئی دفعہ انگریزوں کے خلاف اُٹھے۔ اس دوران میں جواہر لال نہرو اور سبھاش چندر بوس جیسے دانش مند لیڈر ہندوستان کی سیاست کے میدان میں آئے۔

ٹریڈ یونین (مزدور سبھائیں)

اس وقت کارخانے کے مزدوروں کی حالت نہایت خراب اور ناگفتہ بہ تھی۔ انہوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کیا۔ یہ لوگ اپنے گاؤں چھوڑ چھوڑ کر شہر آتے تھے۔ اور کارخانوں میں جیسے تیسے کام شروع کر دیتے تھے کیونکہ گاؤں میں ان کی زمینیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں۔ شہروں میں وہ ایسی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رہتے تھے جن میں جانور بھی رہنا پسند نہ کریں۔ ان سے بہت دیر تک کام لیا جاتا تھا اور نہایت قلیل مزدوری دی جاتی تھی۔ مزدوروں کے داروغہ اور سود خور بنیئے الگ ان کا خون چوستے تھے۔

کچھ نوجوانوں نے ان کی حالت کو بہتر بنانے اور ان میں تنظیم پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے مزدور سبھائیں قائم کیں۔ یورپ کے ملکوں میں اس قسم کی بے شمار سبھائیں ہیں اور روس میں تو ایسی سبھائیں ہر بڑے شہر میں موجود ہیں اور اُن ہی کی مدد سے مزدوروں کے لیڈر لینن نے اکتوبر ۱۹۱۷ء میں سارے ملک میں مزدوروں کی حکومت قائم کی۔

انگریز یہ برداشت نہ کر سکے کہ اس قسم کی سبھائیں اور جماعتیں ہندوستان میں بھی قائم ہوں — انہوں نے مزدوروں کے لیڈروں کو بادشاہ کے خلاف بغاوت کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ ان لیڈروں میں سے اٹھارہ لیڈروں کو پانچ سال تک قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ اُن پر میرٹھ میں مقدمہ چلایا گیا کچھ لیڈروں کو اور بھی لمبی مدّت کے لئے قید کی سزائیں دی گئیں۔ دنیا بھر کے مزدوروں نے اُن سے ہمدردی کا اظہار کیا اور آخر کار سرکار کو مجبوراً انھیں چھوڑنا پڑا۔ اس جد وجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ مزدوروں کو اس قسم کی جماعتیں بنانے کا حق مل گیا۔

بھگت سنگھ

لیکن ملک کے نوجوان آزادی حاصل کرنے کے لئے مضطرب تھے۔ وہ اہنسا کے ذریعہ نہیں بلکہ ملک کو توپ، بندوق اور بموں کے ذریعہ انگریزوں سے خالی کرانا چاہتے تھے۔ بنگال اور مہاراشٹر میں بہت سے ایسے جیالے نوجوان ہوئے جنہوں نے ملک کی خاطر پروانہ وار اپنی جانیں قربان کردیں۔ پنجاب کا



بھگت سنگھ بھی ایسے ہی نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ جس نے بڑی بہادری سے اپنی جان مادرِ وطن کے قدموں میں نثار کر دی۔ پنجاب کے مشہور لیڈر لالہ لاجپت رائے کو پولیس نے لاٹھیوں سے بُری طرح زدوکوب کیا۔ اس ظلم اور ذلت سے متاثر ہو کر بھگت سنگھ نے ایک تدبیر بنائی اور کچھ پولیس والوں پر حملہ کر دیا۔

پولیس بھگت سنگھ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ایک دن پولیس کو معلوم ہوا کہ بھگت سنگھ لاہور میں ہے۔ انہوں نے سارے شہر کے اردگرد گھیرا ڈال دیا اور ریلوے اسٹیشن پر سی۔ آئی۔ ڈی لگا دی بھگت سنگھ ایک فوجی کپتان کے لباس میں اسٹیشن پر آیا، اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس نے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ خریدے۔ سی۔ آئی۔ ڈی والے اُسے نہ پہچان سکے۔ بھگت سنگھ گاڑی میں

سوار ہوگیا۔ گارڈ نے وسل دی اور روانہ ہوگئی۔ بھگت سنگھ پولیس کے چنگل سے صاف بچ کر نکل گیا۔

بنگال میں انگریزوں سے نفرت کا اظہار بڑی شدت سے کیا گیا یہاں تک کہ وہاں کی کچھ بہادر لڑکیوں نے انگریزوں پر بم بھی پھینکے۔ ان منچلے نوجوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے وطن سے بے حد محبت تھی لیکن ان کا یہ خیال کہ وہ اس بے ہنگم طریقے سے مار دھاڑ کے ذریعہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیں گے، غلط تھا۔ اس لئے گاندھی جی نے ان کی دلیری اور حب الوطنی کی تو تعریف کی لیکن انہوں نے کہا کہ وہ لوگ تشدد سے کام نہ لیں ـــــ آخر کار بھگت سنگھ گرفتار کر لیا گیا اور اسے انگریزی حاکموں نے پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا۔ گاندھی جی نے وائسرائے سے درخواست کی کہ وہ بھگت سنگھ کو معاف کر دے۔

جب بھگت سنگھ کو پھانسی دیدی گئی تو جواہر لال نہرو نے فرمایا "بھگت سنگھ کی یاد ہمارے اور انگریزوں کی حکومت کے درمیان ہمیشہ دیوار بن کر حائل رہے گی۔"

اہنسا کی دوسری لڑائیاں

اس واقعے کے بارہ سال بعد تک گاندھی جی نے اپنے مخصوص طریقے پر انگریزوں کے خلاف اہنسا کی لڑائیاں جاری رکھیں۔ ان لڑائیوں میں سے ایک لڑائی کے واقعات سے ظاہر ہو جائے گا کہ گاندھی جی کا انگریزوں کے خلاف طریقۂ جنگ کتنا انوکھا تھا:

یہ امر ہر آدمی بخوبی جانتا ہے کہ کھانے میں نمک کی آمیزش سے کھانا لذیذ اور خوش ذائقہ ہو جاتا ہے۔ غریب ہندوستانیوں کے پاس نمک کے علاوہ اور دوسرے مسالے تو تھے نہیں جن سے وہ اپنے کھانوں کو مزیدار بناتے۔ انگریزی حکومت نے نمک جیسی ضروری چیز پر بھی بہت زیادہ محصول لگا رکھا تھا۔ اس محصول کو گاندھی جی ایک ظلم اور ناانصافی سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اعلان کیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے نمک بنائیں گے۔ لیکن اس طرح نمک بنانا خلاف قانون تھا۔ اب سرکار سے جنگ کرنے کا ایک عجیب طریقہ نکل آیا۔ گاندھی جی، سروجنی نائیڈو اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ نمک سازی کے لئے ڈانڈی نام کے ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرف چل پڑے جو ساحل سمندر پر آباد تھا۔ وہاں انہوں نے

سمندری پانی سے نمک بنایا۔ سرکار نے انھیں گرفتار کر لیا۔ لیکن دوسرے دن ملک کے طول و عرض میں لوگوں نے زبردست ہڑتال کر دی اور ہزاروں آدمی بخوشی جیل چلے گئے۔

اب برطانوی حکومت نے سوچا کہ گاندھی جی سے سمجھوتہ کر لینا چاہیئے۔ گاندھی جی لارڈ ارون وائسرائے ہند سے گفت و شنید کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور اس سلسلے میں وہ لندن بھی گئے۔ لیکن انگریزوں کے قول و فعل میں بڑا تضاد تھا، انہوں نے کہا کچھ اور کیا کچھ! عام لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ پہلے کی طرح ہی سخت اور ناگوار رہا۔

لندن سے واپسی پر گاندھی جی نے ۱۹۳۲ء میں پھر ستیہ گرہ کی تحریک شروع کر دی۔ اس مرتبہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ جیل چلے گئے۔ پولیس نے عورتوں تک کو معاف نہ کیا اور بری طرح پیٹا حتیٰ کہ جواہر لال نہرو کی ضعیف اور ناتواں ماں کو لاٹھیوں سے پیٹا گیا۔ ساتھ ساتھ انگریز مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف مشتعل کرتے رہے۔

معلوم ہوتا تھا کہ گاندھی جی کا مشہور نعرہ "ہندو مسلم کی جے" لوگ بھول چکے تھے۔ کچھ متعصب مسلمان لیڈروں نے غریب اور بے کار مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کئے۔ اس کے جواب میں کٹر مہاسبھائی ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف پرچار کرنے پر کمر باندھ لی۔

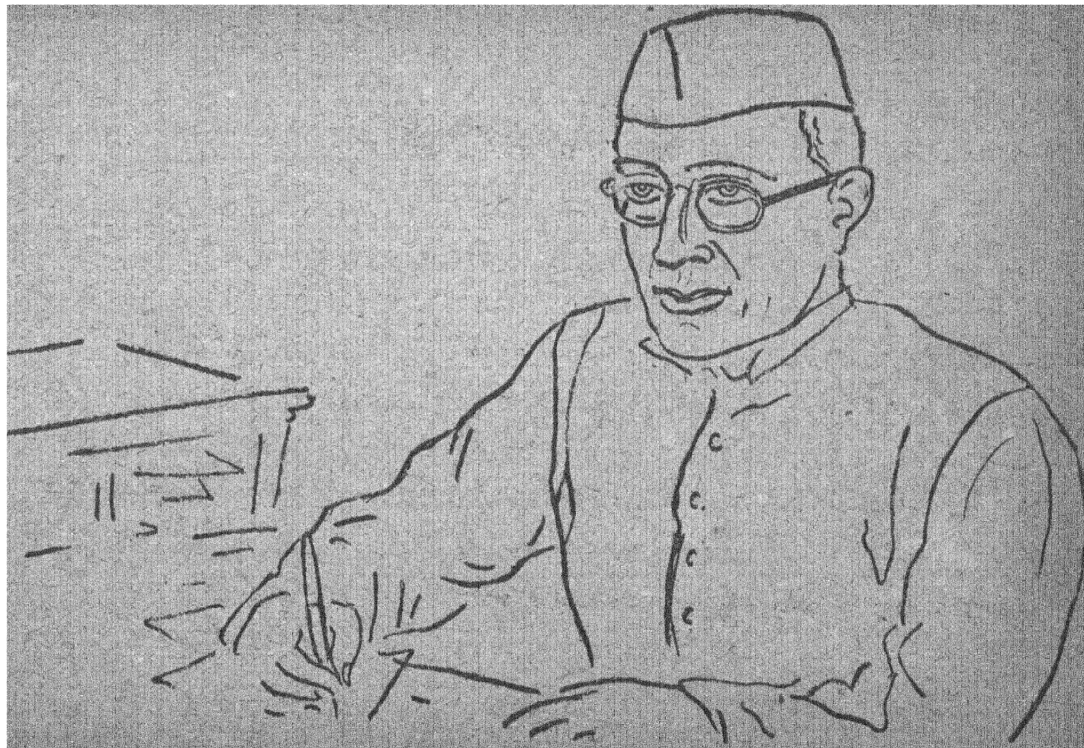
کچھ مہا سبھائی ہندو کانگریس میں آکر شامل ہو گئے اس پر کٹر مسلمان لیڈروں نے شور مچایا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اور یہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ لیکن گاؤں میں اور کارخانو میں ہندو اور مسلمان کسان اور مزدور اُسی طرح مِل جُل کر رہتے رہے۔ انہوں نے اس قسم کی کسی بات پر کان نہ دھرا۔ ہندوستان کے عوام نے، جس میں ہندو اور مسلمان سب ہی شامل تھے، آزادی کی جنگ جاری رکھی۔ باردولی کی شاندار اہنسا کی جنگ نے ہمارے عوام کا نام روشن کر دیا۔ انگریز ڈر گئے اور حکومت میں اصلاحات کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن انگلینڈ کے وزیر اعلیٰ نے کہا "ہندوستانیوں کو جو اختیارات دیئے جائیں گے وہ صرف اُسی مقصد کے لئے استعمال ہو سکیں گے جنھیں ہم چاہیں گے"!

۱۹۳۷ء میں کانگریس نے الکشن لڑا اور گیارہ صوبوں میں سے نو صوبوں میں کانگریس کامیاب ہوئی۔ اور ان صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں کی تشکیل کی گئی۔ لیکن ہمارے لیڈروں نے دہلی کی مرکزی حکومت میں جگہ لینا منظور نہ کیا کیونکہ انگریزوں کی یہ چال تھی کہ ریاستوں کے نمائندے ان کے اپنے بیٹھو ہوں گے اور باقی نمائندوں کو لوگ منتخب کریں گے۔ یہ بات جمہوریت کے اصولوں کے منافی تھی۔ اس لئے دہلی میں ایسی کوئی پارلیمنٹ قائم نہ ہو سکی جس کے نمایندوں کو عوام نے چنا ہو۔

جواہر لال نہرو

مہاتما گاندھی کے بعد ہمارے سب سے بڑے لیڈر جواہر لال نہرو تسلیم کئے گئے۔ وہ جنگ آزادی کے ایسے منچلے سپاہی ہیں جنہوں نے ملک کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے ۔ وہ ہندوستانیوں سے ہی نہیں بلکہ دنیا کے سب حریت پسند لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے اس چیز کا بغور مشاہدہ کرنے کے لئے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں لوگ آزادی اور جمہوریت کے لئے کس طرح جنگ کر رہے ہیں، ساری دنیا کا سفر کیا۔ ان کی قیادت میں ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ اور قوی ہو گیا۔

کانگریس ایک طاقتور اور با قتدار جماعت بن گئی اور کسانوں اور مزدوروں کے بہت سے نمائندے بھی اس میں شریک ہو گئے ۔



مذہب خطرے میں

کچھ دولت مند اور سرمایہ دار ہندوستانیوں کو، جن میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی شامل تھے، ہمارے نوجوانوں کا یہ اتحاد ناگوار گزرا۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں میں نعرہ بلند کیا کہ ہمارا مذہب سخت خطرے میں ہے، دوسری قوم ہماری قوم کے مذہب کو ختم کرنا چاہتی ہے۔

انگریز اور تنگ نظر مسلمان اور ہندو تو اس فکر میں ہی تھے کہ کس طرح ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈالی جائے، ان لوگوں نے ان متعصّب ہندو اور مسلمان سرمایہ داروں کے کام کو اور آسان بنا دیا۔ درحقیقت اس وقت ہندو اور مسلمان دونوں ہی بھوکے تھے اور بھوک کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے بےچارے بھوکے آدمی مدت تک بھوکوں رہنے کی وجہ سے مایوس اور بددل ہو جاتے ہیں، ان تنگ نظر اور متعصّب ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان غریبوں اور بھوکوں کے دلوں میں زہر بھر دیا۔ ایک کو دوسرے کے خلاف متنفر کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے۔

محمد علی جناح

محمد علی جناح پہلے کانگریس میں تھے۔ کانگریس میں رہ کر انہوں نے اچھی خدمات کی تھیں۔ بعد میں وہ کانگریس سے علیحدہ ہو گئے اور مسلم لیگ کے لیڈر بن گئے۔ پہلے تو انھیں امید تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کا پورا خیال رکھا جائے گا لیکن جب کچھ متعصب ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک کیا تو اُنہوں نے کہا کہ تمام ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ جناح صاحب نے غریب مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ مذہب کا درجہ روٹی سے پہلے ہونا چاہیے۔ انہوں نے کانگریس سے کہا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں جو کبھی ایک نہیں ہو سکتیں اور مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا کہ ان کے لئے ایک علیحدہ سلطنت کی تشکیل کی جائے جس کا نام پاکستان ہو۔

دوسری جنگ عظیم

(۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک)

جرمنی میں ہٹلر نام کے ایک ظالم شخص نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ انھیں دنوں اٹلی میں مسولینی نام کا ایک ظالم ڈکٹیٹر حکومت کر رہا تھا۔ دوسری طرف جاپان میں سرمایہ داروں اور فوجی جنرلوں نے حکومت پر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ ان تینوں طاقتوں نے مل کر دنیا کو تسخیر کرنے کا ارادہ کیا۔
پہلے تو انگلینڈ نے ان طاقتوں کی حمایت کی۔ کیونکہ انگلینڈ، اٹلی، جرمنی اور جاپان کے سرمایہ دار ایک دوسرے کے دوست تھے۔ وہ آپس میں تجارت کے ذریعہ خوب دولت کما رہے تھے۔ امریکی سرمایہ داروں نے بھی ان کی مدد کی۔ لیکن دنیا کے سب نیک دل لوگ ان کے خلاف تھے۔ ان میں سے بہت سے جمہوریت پسند لوگوں نے کہا کہ دنیا کے ہر ملک میں وہاں کی جنتا کو حکومت کرنی چاہئے۔ لیکن دنیا کے ہر ملک میں با اثر طبقے نے ان جمہوریت پسندوں کی آواز کو دبا دیا۔
ہٹلر کی فوجیں جارحانہ قدم اٹھانے لگیں۔ اُنھوں نے پڑوسی ملکوں کو پامال کرنا شروع

کر دیا۔ جب یہ فوجیں مُلک پر مُلک فتح کرتی ہوئی انگلینڈ کی جانب بڑھیں تو انگلینڈ والوں کو خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جرمنی سے جنگ چھیڑ دی۔ انگلینڈ کے نیک دل لوگوں نے ہمیشہ جمہوریت اور آزادی کی حمایت کی ہے۔ لیکن حکمران طبقے نے ان کی ایک نہ سُنی۔ آخرکار حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی اور جنگ شروع ہو گئی

برطانوی حکومت نے ہندوستان کو بغیر آزادی یا جمہوری حقوق دیئے اور بغیر اس سے پوچھے اُسے اس بڑی جنگ کی بھٹی میں دھکیل دیا۔

انگلینڈ والے کہتے تھے کہ ہندوستانی ہمارے ساتھ مل کر آزادی اور جمہوریت کے لئے جنگ کر رہے ہیں لیکن خود ہندوستان کی آزادی اور جمہوریت کو ٹال دیتے تھے۔

ہمارے رہنما ہٹلر، مسولینی اور جاپانی فوجی درندوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اسلئے پنڈت نہرو نے انگریزوں سے کہا کہ اس جنگ میں ہندوستان انگریزوں کا اس شرط پر ساتھ دے گا کہ اُسے فوراً آزاد کر دیا جائے۔ انگریزوں نے یہ شرط نامنظور کر دی۔

اس لئے مہاتما گاندھی کو ایک مرتبہ پھر اہنسا کی لڑائی لڑنی پڑی۔

لیکن انگریزوں نے پھر بھی نہ سُنی۔ ہٹلر اور جاپان کی فوجیں انھیں ہر جگہ شکست فاش دے

رہی تھیں۔ وہ نعرہ لگاتے تھے کہ وہ آزادی اور جمہوریت کے لئے جہاد کر رہے ہیں لیکن خود ہندوستان کی آزادی کا نام سُن کر خاموش ہو جاتے تھے۔

ہٹلر نے اب روس پر حملہ کر دیا۔ اس وقت پنڈت نہرو نے ایک بار پھر انگریزی حکومت سے کہا کہ اگر تم ہمیں آزاد کر دو تو ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔

اُدھر جاپانیوں نے جو گذشتہ نو سال سے چین سے برسرِ پیکار تھے، پرل ہاربر کے مقام پر امریکنوں سے جنگ چھیڑ دی۔

نہ صرف یہی بلکہ جاپانیوں نے انگریزوں کے ہاتھوں سے ہانگ کانگ، برما، اور ملایا اور ڈچوں سے انڈونیشیا خالی کرا لیا۔

اس طرح اس ہولناک جنگ کے شعلے ساری دُنیا میں پھیل گئے۔

مسٹر چرچل

اب انگریزوں کو خطرے کا شدید احساس ہوا۔ ان دنوں مسٹر چرچل انگلینڈ کے وزیرِاعلیٰ تھے۔ یہ ہندوستان کی آزادی کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ لیکن اس بار حالات کی نزاکت کے ماتحت اُنھیں بھی جھکنا پڑا۔

چرچل نے سر اسٹیفورڈ کرپس کو ہمارے لیڈروں سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے ہندوستان روانہ کیا۔ کرپس ہندوستانیوں کو حقیقی اختیارات دینے پر رضامند نہ ہوئے۔ وہ اصل اختیارات کی باگ ڈور وائسرائے کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہندوستانی لیڈروں اور ان کے مابین کسی قسم کا سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

"ہندوستان چھوڑدو"

مہاتما گاندھی نے اب کھلے لفظوں میں انگریزوں کو خبردار کیا کہ وہ فوراً ہندوستان چھوڑدیں۔ اس پر انگریزی سرکار نے ۹ راگست ۱۹۴۲ء کو سارے بڑے بڑے لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا۔ تمام ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ ہر جگہ غم اور غصّہ کا اظہار کیا گیا۔ ہندوستانی عوام انگریز سرکار کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ملک کے ہر گوشے میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

دوران جنگ میں انگریزی سرکار نے ہندوستان اور ہندوستانیوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ نتیجہ کے طور پر بنگال میں ایک بھیانک قحط پڑا۔ پچاس لاکھ آدمی فاقے سے مر گئے اور ملک کے عوام انگریزی حکومت سے سخت بددل اور متنفر ہو گئے

سبھاش چندر بوس اور آزاد ہند فوج

جنگ عظیم کے شروع ہونے کے تھوڑے عرصے بعد انگریز گورنمنٹ نے بنگال کے ہردل عزیز لیڈر سبھاش چندر بوس پر سخت پہرہ لگا دیا۔ سبھاش بوس بڑے نڈر، بے باک اور ملک کے سچے خادم تھے۔ وہ بھیس بدل کر ہندوستان سے نکل گئے اور ملک کی آزادی کے لئے مدد حاصل کرنے کے واسطے ساری دنیا کا دورہ کیا۔ دوسرے ملکوں میں رہنے والے ہندوستانیوں نے سبھاش بوس کی مالی امداد کی اور ان کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اس فوج کا نام "آزاد ہند فوج" رکھا گیا۔ سبھاش بوس فوج جمع کر کے سیام کے مقام بینگ کاک پہونچے اور وہاں سے ان کی فوجوں نے ہندوستان کی جانب پیش قدمی کی۔

جنگ کا خاتمہ

روس کی فوجوں نے جرمنوں کو ہزاروں میل ڈھکیل کر برلن میں قدم رکھا، انگریزی اور امریکی فوجیں جو فرانس اور اٹلی میں اُتر چکی تھیں، اب جرمنی میں داخل ہوئیں اور روسی فوجوں سے مل گئیں۔ اس طرح ہٹلر اور مسولینی کو شکست ہوئی۔

اس کے فوراً بعد اتحادیوں نے یعنی روس، برطانیہ اور امریکہ نے جاپان پر حملہ کر دیا۔ امریکی سائنس دانوں نے جرمن سائنسدانوں کی مدد سے کچھ عرصہ پیشتر دنیا کو تباہ و برباد کرنے والا سب سے مہلک ہتھیار "ایٹم بم" تیار کر لیا تھا۔ امریکی فوجیوں نے دوسری اتحادی طاقتوں کو مطلع کئے بغیر جاپان کے شہروں پر یہ خطرناک بم گرائے۔ یہ بم معمولی بموں کے مقابلے میں بہت زیادہ تباہ کن اور خطرناک تھے۔ اس سے ہزاروں آدمی چشم زدن میں ہلاک ہو گئے اور کثیر مالی نقصان ہوا۔ اتحادی فوجیں سرعت سے جاپان کی طرف بڑھیں، معاملے کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے اس طرح دنیا کی دوسری جنگ عظیم کا اختتام ہوا۔

ہمارے ملک کے باشندوں کی حالت

ہمارے ملک کے باشندے اب بھی مصیبت میں مبتلا تھے۔ ان کے دل میں انگریزی راج کے خلاف غم و غصہ کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن چرچل نے اب بھی کوئی پروا نہ کی۔

اس کے بعد انگلینڈ میں عام انتخابات ہوئے، جس میں چرچل اور ان کے ساتھیوں کی جماعت ہار گئی۔ برطانوی لیبر پارٹی کامیاب ہوئی۔ اور عنانِ حکومت چرچل کے ہاتھوں سے نکل کر لیبر پارٹی کے ہاتھوں میں آگئی۔ لیکن ہندوستان میں سرکار کی وہی نامنصفانہ روش رہی۔ آزاد ہند فوج کے سپاہی گرفتار کر لئے گئے اور ان پر مقدمہ دائر کیا گیا۔ سبھاش بوس کے متعلق اطلاع ملی کہ جاپان جاتے ہوئے ان کا جہاز گر گیا اور اس طرح وہ انتقال کر گئے۔

آزاد ہند فوج کے سپاہیوں پر چلائے گئے مقدمہ کے سلسلے میں پنڈت نہرو اور کانگریس نے ان کی زبردست حمایت کی۔ کانگریس کے ایک مشہور لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی نے، جو ایک کامیاب وکیل تھے، ان ملزموں کی قانونی پیروی کی۔ سارے ملک میں حکومت کے اقدام کے خلاف نفرت کا

اظہار کیا گیا۔ فوج کے سپاہیوں میں بھی سخت بے چینی اور کھلبلی پھیل گئی۔ بحری فوج کے سپاہی بھی اس بات پر سخت برہم ہوئے کہ انھیں انگریز سپاہیوں کے مقابلے میں گھٹیا کھانا کیوں دیا جاتا ہے اور اُن سے بُرا برتاؤ کیوں کیا جاتا ہے۔

پولیس کے سپاہیوں نے بھی تنخواہ میں اضافہ کے لئے ہڑتال کردی۔ اور ایک بحری فوج کے بہادر سپاہیوں نے بمبئی اور کراچی کی بندرگاہوں میں جہازوں پر قبضہ کرلیا۔ اور عوام نے ان کی حمایت کی۔

بالآخر انگریزوں کو احساس ہوا کہ اب وہ ہندوستان میں نہیں ٹھہر سکتے۔

لیکن مسٹر جناح اپنے مطالبے پر اڑے رہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ڈائریکٹ ایکشن یعنی کھلی کارروائی کے لئے آمادہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ ڈائریکٹ ایکشن انگریزوں کے سراسر خلاف ہے لیکن اب ہندو مسلم کشیدگی اتنی بڑھ چکی تھی کہ غنڈوں کو بڑی آسانی سے گڑبڑ پھیلانے کے موقعے مل گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سارے ملک میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ کلکتہ میں بڑا ہولناک فساد ہوگیا اور بعد میں بمبئی بنگال اور بہار میں ہندو مسلمان آپس میں مرنے کٹنے لگے۔ ایک دوسرے کے گھر جلا کر راکھ کر دیے گئے اور بچوں تک کو بیدردی سے ذبح کر دیا گیا۔

ملک کی تقسیم

اب اس قدر بھیانک حالات پیدا ہو گئے جو انگریزوں کی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پرانی ذلیل پالیسی سے ہو سکتے تھے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم کی ایک تجویز تیار کی اور ملک کے نقشہ پر خون کی ایک لکیر پھیر کر دو حصّوں میں بانٹ دیا گیا ایک ہندیونین اور دوسرا پاکستان!

کانگریس کے لیڈروں نے یہ سوچ کر کہ اگر وہ اس تجویز کو منظور کریں گے تو یہ تباہی اور قتل و غارت گری ختم جائے گی اور لوگوں کو امن و امان نصیب ہو سکے گا، اس تجویز کو منظور کر لیا۔

اس طرح مسلم لیگ والوں کو مغربی پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور مشرقی بنگال دیدیا گیا اور پاکستان وجود میں آیا۔ دوسرے حصّے کا نام ہندیونین ہوا۔ انگریزی سرکار نے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں کو پوری آزادی دیدی کہ جس مملکت میں چاہیں شامل ہوں یا بالکل آزاد رہیں۔ ان میں سے کچھ ریاستوں کے راجا نواب سمجھدار تھے، انہوں نے

اسی مملکت میں شمولیت کی جس کے لئے ان کی رعایا کہتی تھی لیکن بعض بیوقوف راجا نوابوں نے رعایا کی بات نہ مانی۔

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہند اور پاکستان دو مملکتوں کا قیام ہوا۔ ہند میں یونین جیک کی بجائے ترنگا لہرایا گیا جسے دیکھ کر لوگ خوشی کے جامے میں پھولے نہ سمائے۔ لیکن یہ خوشی کچھ دیرپا ثابت نہ ہوئی۔

انگریزی حکومت نے ملک کے لوگوں کو تقسیم کے لئے پہلے سے آمادہ نہ کیا تھا۔ انہوں نے تقسیم کی تجویز منظور کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ اور دونوں مملکتوں کی سرحدیں قائم کرنے میں دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب کے باشندے آپس میں مارکاٹ پر اتر آئے۔ مغربی پنجاب کے لاکھوں ہندو اور سکھ اپنا عزیز وطن اور گھربار چھوڑ کر ہندوستان آنے پر مجبور ہوئے اور اسی طرح لاکھوں مسلمان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ اس انتقالِ آبادی میں سیکڑوں راستے میں

مر گئے، ہزاروں مرد، عورتیں وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیئے گئے۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ معصوم بچوں کو نہایت بیدردی سے کچل دیا گیا۔ اس وحشت اور بربریت میں ہندو، مسلمان اور سکھ سب ہی برابر کے شریک تھے۔

لوگوں کے دل اور دماغ نفرت اور تشدد کے زہر سے بھر گئے اور سارے ملک پر خوفناک کالے بادل چھا گئے۔

مہاتما گاندھی کا قتل

ملک کی اس تباہی اور بربادی، لوٹ مار اور خون خرابے سے مہاتما گاندھی بڑے رنجیدہ ہوئے انہوں نے مشرقی بنگال کے گاؤں گاؤں کا دورہ کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ وہ ایک دوسرے سے نفرت کرنا چھوڑ دیں۔

کلکتہ میں تو حقیقتاً انہوں نے معجزہ کر دکھایا۔ کلکتہ میں فساد کے وقت وہ ایک مسلمان علاقے میں جاکر ٹھہرے۔ چند متعصب ہندو ان کی اس حرکت پر بہت برا فروختہ ہوئے۔ انہوں نے

گاندھی جی کو گالیاں دیں اور ان پر پتھر پھینکے۔ کلکتہ کے نیک دل اور بھلے لوگ ان کی اس وحشیانہ حرکت پر بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اب آپس میں نہ لڑیں گے۔ کلکتہ کی سڑکوں پر ہزاروں ہندو مسلمان ایک دوسرے سے گلے مل گئے۔

یہاں سے گاندھی جی بہار گئے اور وہاں امن قائم کرایا۔ اس کے بعد انھیں دہلی بلا لیا گیا۔ دہلی میں اس وقت لاکھوں شرنارتھی آ گئے تھے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف مار کاٹ پر آمادہ تھے۔ دہلی کے متعصب ہندو اور سکھ بھی ان کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کیا۔

ہندوستان کے کٹر ہندو اور متعصب سکھ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح وہ اپنا وطن چھوڑ کر یہاں چلے آئے اسی طرح سب مسلمان ہندوستان سے نکل جائیں۔ لیکن مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ جو جہاں ہے وہیں رہے اور آپس میں میل ملاپ اور اتحاد قائم ہو جائے۔ جب لوگ اپنی ان بری حرکتوں سے باز نہ آئے تو گاندھی جی کو بڑا دکھ ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ دہلی میں ہندو اور سکھ مسلمانوں سے بڑی نفرت کرتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ وہ اس خون ریزی سے باز آئیں۔ پاکستان اگر غلطی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بھی وہی غلطی کریں۔ ہمارے بزرگ ہمیشہ غلطی کرنے والے کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے آئے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھیں۔

اس لئے انہوں نے مرن برت رکھا۔ انہوں نے لوگوں کو تنبیہہ کی کہ اگر وہ آپس میں لڑنا جھگڑنا اور نفرت کرنا نہ چھوڑیں گے اور مسلمانوں کو پُرامن طریقے پہ ہندوستان میں رہنے نہ دیں گے تو وہ اپنی جان دیدیں گے۔ برت کے چوتھے دن دہلی کے لوگوں نے کہا کہ وہ مہاتماجی کے اصولوں پر چلیں گے اور وہ اب آپس میں لڑائی جھگڑے سے باز آئیں گے۔ مہاتما نے برت کھول دیا اور لوگ خوش ہوگئے۔

لیکن ملک کے حصّوں میں کچھ شرپسند ہندو اور سکھ ایسے بھی تھے جو مہاتماجی سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان مہاتماجی کے انمول وجود سے محروم ہوجائے۔ انہوں نے پنڈت نہرو اور دوسرے بڑے لیڈروں کے خلاف بھی سازشوں کے جال بُنے۔

ایک دن تیسرے پہر ایک سرپھرے نوجوان نے مہاتما پر بم پھینکا، لیکن مہاتما بال بال بچ گئے اور بم تھوڑی دور جا پڑا۔ پنڈت نہرو جب امرتسر میں ایک تقریر کر رہے تھے تو پولیس نے ایسے دو آدمیوں کو گرفتار کیا جن کی جیبوں میں بم موجود تھے۔

مہاتما ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو شام کے پانچ بجے حسب معمول پرارتھنا سبھا میں پیدل آئے۔ جیسے ہی وہ چبوترے کے قریب پہونچے، ایک نوجوان ان کے قریب آیا۔ یہ نوجوان جو ایک ہندو تھا، مہاتما کی قدم بوسی کے بہانے نیچے جھکا، لیکن نیچے جھکتے ہی اس نے جیب سے پستول نکالا اور مہاتما پہ گولیاں

برسانی شروع کر دیں۔ مہاتما کا سینہ اور پیٹ تین گولیوں سے چھلنی ہو گیا۔
مہاتما گولیاں کھا کر گر گئے۔ رام کا نام اس وقت بھی ان کے لبوں پر تھا۔ کچھ لمحوں بعد وہ دنیا سے سدھا گئے۔
اس طرح ہمارے راشٹر پتا نے سورگ کی راہ لی۔ یہ ہولناک خبر سُن کر لوگوں کے دل دہل گئے۔ پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اور انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔
اس جگر خراش واقعہ سے لوگوں کے دل ٹوٹ گئے۔ اور سب نے اس " مہان آتما" (عظیم ہستی) کے دنیا سے اٹھ جانے کا سوگ منایا۔ دنیا میں صف ماتم بچھ گئی۔ انہوں نے ہندوستانیوں کے نام ہمدردانہ پیغامات روانہ کئے۔
ہمارے ملک پر گہری تاریکی چھا گئی۔
پنڈت نہرو قوم سے متوجہ ہوئے۔ وہ گاندھی جی سے باپ کی طرح محبت کرتے تھے۔ ان کی آواز گہرے غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا:-
" ہماری زندگی سے روشنی چلی گئی ہے اور اب چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے . . . . روشنی چلی گئی۔ یہ میرے ہی الفاظ تھے۔ میں نے یہ کہہ کر غلطی کی۔ کیونکہ وہ روشنی



روشنی جس نے ہمارے ملک کو برسوں پُرنور بنایا ہے، جس نے اس ملک کو منور کیا، معمولی روشنی نہ تھی ـــــ آئندہ بھی سالہا سال تک منوّر کرتی رہے گی۔ اور ہزاروں سال بعد بھی وہ روشنی ہندوستان میں موجود

ہوگی، دُنیا اس چیز کو دیکھے گی۔ یہ روشنی بے شمار ٹوٹے دِلوں کو تسلی اور تشفی کی مومیائی سے جوڑے گی کیونکہ یہ روشنی صداقت کی روشنی تھی، اس کی بنیاد ابدی صداقت پر تھی، یہ ہمیں غلطیوں کے گڑھوں سے نکال کر راہ راست پر لاتی رہی، اور اس نے ہمارے قدیم ملک کو آزادی کی منزل پر لا کھڑا کیا۔"

چودھویں صدی سے سولہویں صدی تک	دکن میں پنڈیہ اور چولا سلطنتوں کی جگہ وجے نگر کی سلطنت قائم ہوئی	
پندرہویں صدی سے سولہویں صدی تک	بڑے بڑے سنت اور مہاتما ہوئے	وشنو شیو اور شکتی متوں کا پھیلنا
	رامانج ۔ رامانند	
	تلسی داس ۔ ولبھ	
	میرا بائی	
	تکارام	
	چیتنیہ ۔ کبیر	
	نانک	سکھ مذہب کی بنیاد پڑی
	مغل سلطنت	
۱۵۲۶ سے ۱۵۳۰ء تک	بابر	بابرنامہ لکھا گیا
۱۵۳۰ سے ۱۵۴۰ء تک	ہمایوں	

۱۵۵۶ سے ۱۶۰۵ء تک	اکبر	ہندو مسلم اتحاد فتح پور سیکری بسائی گئی مغل اور راجپوت مصوّری یورپ سے سوداگروں اور پادریوں کا آنا اکبر نامہ لکھا گیا
۱۶۰۵ سے ۱۶۲۷ء تک	جہانگیر اور اسکی ملکہ نورجہاں	ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام
۱۶۲۷ سے ۱۶۵۸ء تک	شاہجہاں	تاج محل۔ لال قلعہ اور جامع مسجد
۱۶۵۸ سے ۱۷۰۷ء تک	اورنگ زیب	شیواجی گرو گوند سنگھ
۱۷۳۹ء	نادر شاہ کے ہاتھوں دلی کی بربادی	
۱۷۵۷ سے ۱۷۸۵ء تک	کلایو اور ہیسٹنگز	ملک کی بربادی
۱۸۵۷ء	جنگ آزادی	شہنشاہ بہادر شاہ جھانسی کی رانی